احیائے اسلام اور امن عالم کا داعی کثیر الاشاعت میگزین

ماہنامہ منہاج القرآن لاہور

ستمبر 2024ء

بعثتِ مصطفیٰ ﷺ اللہ کا سب سے بڑا احسان

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا خصوصی خطاب

شانِ رفعتِ مصطفیٰ ﷺ

رسول اللہ ﷺ کے لقب "اُمّی" کے حقائق و معارف

عشقِ مصطفیٰ ﷺ کی ضرورت اور عملی تقاضے

شیخ الاسلام کا تاریخی دورۂ یورپ و ایشین ممالک

سیرۃ النبی ﷺ اور اتحادِ امت کانفرنسز کا انعقاد

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا دورۂ ملائیشیا

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا دورۂ ہانگ کانگ

احیائے اسلام اور امن عالم کا داعی کثیر الاشاعت میگزین

ماہنامہ منہاج القرآن لاہور

بفیضان نظر
قدوۃ الاولیاء شیخ المشائخ حضرت سیدنا طاہر علاؤالدین القادری الگیلانی البغدادی قدس سرہ العزیز

زیر سرپرستی
شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ

بانی و نگران
ڈاکٹر حسن محی الدین قادری | ڈاکٹر حسین محی الدین قادری

جلد: 38 / شمارہ: 9 / ربیع الاول ۱۴۴۶ھ / ستمبر 2024ء

چیف ایڈیٹر: نور اللہ صدیقی
ایڈیٹر: محمد یوسف
ڈپٹی ایڈیٹر: محبوب حسین

ایڈیٹوریل بورڈ
محمد رفیق نجم، ڈاکٹر محمد فاروق رانا، عین الحق بغدادی
محمد بلال اُپل، سید علی عباس بخاری، فیصل حسین مشہدی

مجلس مشاورت
خرم نواز گنڈاپور، احمد نواز انجم، جی ایم ملک
محمد جواد حامد، سرفراز احمد خان، منظور حسین قادری
غلام مرتضیٰ علوی، علی عمران، داؤد حسین مشہدی

قلمی معاونین
مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی، محمد شفقت اللہ قادری
ڈاکٹر طاہر حمید تنولی، ڈاکٹر محمد الیاس اعظمی
ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی، ڈاکٹر محمد افضل قادری

حسن ترتیب

اداریہ: تعظیم وتکریم رسول ﷺ شرطِ ایمان	چیف ایڈیٹر	3
القرآن: ذاتِ مصطفیٰ ﷺ احسانِ خدا	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری	6
آپ کے فقہی مسائل	مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی	15
حبِّ رسول ﷺ کی ضرورت اور عملی تقاضے	ڈاکٹر حافظ محمد سعد اللہ	22
رسول اللہ ﷺ کے لقب اُمی کے حقائق ومعارف	ڈاکٹر مسعود احمد مجاہد	32
شانِ رفعتِ مصطفیٰ ﷺ	ڈاکٹر نعیم انور نعمانی	42
سیرتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں الحاد کا تدارک	ڈاکٹر طاہر حمید تنولی	52
فقہ واصول کی تدوین کی ضرورت واہمیت	مفتی ارشاد احمد ساحل	61
شیخ الاسلام کا دورۂ آسٹریلیا وایشین ممالک	خصوصی رپورٹ	71
خصوصی ہدایات برائے میلاد مہم 2024ء		86

کمپیوٹر آپریٹر: محمد اشفاق انجم | گرافکس: عبدالسلام
خطاطی: محمد اکرم قادری | حکاکی: قاضی محمود الاسلام

قیمت فی شمارہ: 60 روپے | سالانہ خریداری: 700 روپے

ملک بھر کے تعلیمی اداروں اور لائبریریوں کیلئے منظور شدہ
www.minhaj.info
www.facebook.com/minhajulquran
email:mqmujallah@gmail.com (مجلّہ آفس وسالانہ خریداران)
minhaj.membership@gmail.com (نظامت ممبرشپ/رفقاء)
smdfa@minhaj.org (بیرون ملک رفقاء)

انتباہ!
مجلّہ منہاج القرآن میں آنے والے جملہ پرائیویٹ اشتہار خلوص نیت سے شائع کئے جاتے ہیں
ادارہ کی کسی کاروبار میں شراکت ہے اور نہ ہی ادارہ فریقین کے درمیان کسی بھی قسم کے لین دین کا ذمہ دار ہوگا۔

بدل اشتراک: مشرق وسطی جنوب مشرقی ایشیاء، یورپ، افریقہ، آسٹریلیا، کینیڈا، مشرق بعید جنوبی امریکہ وریاستہائے متحدہ امریکہ 30 امریکی ڈالر سالانہ

ترسیل زر کا پتہ: اکاؤنٹ نمبر 02930103644000 میزان بینک شالیمار لنک روڈ لاہور پاکستان

ناشر: محمد اشرف قادری، مطبع: منہاج القرآن پرنٹرز 365 ایم ماڈل ٹاؤن لاہور UAN:042-111-140-140 Ext: 128

حمدِ باری تعالیٰ

میرے رب! کُل کا آسرا تو ہے
سب ہیں مخلوق، اک خدا تو ہے

گلستانوں کو تو نے مہکایا
اور صحراؤں کی بقا تو ہے

تو نے روشن کیا ستاروں کو
مہ و خورشید کی ضیا تو ہے

وحدہٗ لاشریک ذات تری
حَـــیّ و قَیـــوم اے خدا تو ہے

تو ہی رازق ہے کُل جہانوں کا
ساری خلقت کو پالتا تو ہے

سارے نبیوں نے دی یہی تعلیم
لائقِ سجدہ کبریا تو ہے

ہر کڑے وقت میں مرے معبود
اپنے عابدؔ کا آسرا تو ہے

﴿ڈاکٹر خواجہ عابد نظامی﴾

نعتِ رسولِ مقبول ﷺ

طیبہ میں اے خوشا! اُجالا قدم قدم
دل کش ہے دل رُبا ہے اُجالا قدم قدم

ہے اس لیے وہ شہرِ مدینہ منورہ
"آقا نے کردیا ہے اُجالا قدم قدم"

صد مرحبا نبی کی ثناؤں کا ہر گھڑی
عالَم میں بڑھ رہا ہے اُجالا قدم قدم

ہے روکشِ جمالِ بتاں وہ حریمِ دل
جس میں دُرود کا ہے اُجالا قدم قدم

برکت سے نقشِ پائے رسولِ کریم کی
مہتاب پا رہا ہے اُجالا قدم قدم

لمسِ قدم حضور کا جس کو ہوا نصیب
اس راہ میں بسا ہے اُجالا قدم قدم

معراجِ مصطفیٰ کی خوشی میں نجوم نے
افلاک پر کیا ہے اُجالا قدم قدم

ان کے کرم سے حشر میں ایمان کی مرے
تصدیق کو چلا ہے اُجالا قدم قدم

تنویرِ مدحِ رحمتِ عالم کے فیض سے
مضمون و قافیہ ہے اُجالا قدم قدم

ہمذاؔنی عشقِ سرورِ کونین سے مرے
افکار میں بسا ہے اُجالا قدم قدم

﴿انجینئر اشفاق حسین ہمذاؔنی﴾

ادار یہ

تعظیم و تکریم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شرط ایمان

حضور نبی اکرم ﷺ کی ولادت اور بعثت ایک نئے دور کا آغاز اور تاریخ کی ایک نئی جہت کا تعین تھا۔ آپ ﷺ کی تشریف آوری کے بعد انسانیت مکمل طور ایک نئے دور میں داخل ہو گئی۔ ایک ایسا دور جس میں شعور، آگہی، تہذیب، کلچر اور اعلیٰ انسانی اقدار کے فروغ، قیام اور استحکام کی وہ مثالیں ملتی ہیں جن کا آپ ﷺ کی آمد سے قبل تک تصور بھی نہ تھا۔ یہ سب ختمِ نبوت کا وہ فیضان تھا جو آپ ﷺ کی بعثت کے بعد آپ ﷺ کی ذاتِ مبارکہ کے ذریعے عالمِ انسانیت میں جاری و ساری ہوا۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی شخصیت تمام اوصاف و کمالات کی جامع ہے۔ آپ ﷺ کی سیرتِ مطہرہ کے مطالعہ سے انسانِ کامل اور اسوۂ حسنہ کا صحیح نقشہ ذہن پر ثبت ہو جاتا ہے۔ آپ ﷺ کے حسنِ اَخلاق، حسنِ معیشت، شجاعت وبسالت، صبر و تحمل، صداقت وامانت، تدبر و بصیرت، عدالت و فقاہت، جود وسخا اور رحمت ومودت الغرض آپ کی جس بھی عظیم خصلت ووصف کا مطالعہ کیا جائے تو حضور ﷺ کی ذات گرامی کو عظیم مصلح ورہنماء، عظیم مدبر و منتظم، عادل قاضی و منصف، بے نظیر مقنن، مثالی قائد وسپہ سالار، دیانت دار تاجر، مثالی شہری، مثالی خاوند اور سربراہ خاندان اور کامیاب سربراہِ ریاست کی شانِ اکملیت کا اظہار جھلکتا دکھائی دیتا ہے۔

تاریخِ اِنسانی میں یہ اِمتیاز صرف حضور نبی اکرم ﷺ کو حاصل ہے کہ آپ ﷺ کی اِنفرادی، معاشرتی اور قومی زندگی کا ایک ایک لمحہ محفوظ اور اہلِ ایمان کے لیے ہدایت کی صورت میں موجود ہے۔ آپ ﷺ کو تاریخِ انسانیت میں یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ آپ ﷺ کی

سیرت طیبہ پر تاریخ میں سب سے زیادہ لکھا گیا اور لکھا جا رہا ہے۔ حتیٰ کہ آپ ﷺ کے سیرت نگاروں کی فہرست میں مسلم اور غیر مسلم تمام مصنفین شامل ہیں جنھوں نے ہر دور اور ہر خطہ میں اپنی بساط کے مطابق آپ کی حیاتِ طیبہ پر لکھنے کی سعادت حاصل کی۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی بعثت کا مقصد ایک ایسے معاشرے اور دنیا کی تشکیل ہے جہاں انسان امن و سلامتی سے رہ سکے۔ آپ ﷺ کی سیرت اپنی ظاہری و باطنی وسعت کے لحاظ سے محض شخصی سیرت نہیں بلکہ ایک عالم گیر اور بین الاقوامی سیرت ہے جو تمام جہانوں کے لیے ایک مکمل دستورِ حیات اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ جوں جوں زمانہ ترقی کرتا جائے گا، انسانی زندگی کے بقا، استحکام اور ترقی کے لیے سیرت کی ضرورت و اہمیت شدید تر ہوتی جائے گی۔

آج اُمتِ مسلمہ قلبی اور عملی طور پر ایک طرف عشقِ رسول ﷺ کی اہمیت و ضرورت سے نابلد ہے تو دوسری طرف حضور نبی اکرم ﷺ کی سیرتِ مطہرہ کے حقیقی فہم سے بھی عاری ہے۔ جس وجہ سے امت نہ صرف اپنی انفرادی، اجتماعی، قومی اور بین الاقوامی زندگی میں آپ ﷺ کے فیضان سے محروم رہی بلکہ عالمی سطح پر بھی سیرت اور اسلام کا پیغام کما حقہ نہ پہنچایا جا سکا۔ لہٰذا آج ضرورت اِس اَمر کی ہے کہ ایک طرف عشقِ رسول ﷺ کے اصل تصور کو اجاگر کر کے امت کا آپ ﷺ کی ذاتِ بابرکات کے ساتھ قلبی و روحانی تعلق کو مضبوط و مستحکم کیا جائے اور دوسری طرف آپ ﷺ کی سیرتِ مقدسہ کے ذریعے امت کو عمل کی طرف راغب کیا جائے۔ آج کی نوجوان نسل جو تلاشِ حقیقت میں ماری ماری پھرتی ہے، اس آفاقی حقیقت سے باخبر ہو کر پھر سے اپنے آقا و مولا ﷺ کے ساتھ وہ جبی تعلق استوار کر لے کہ دنیا کی رنگینیاں اور نت نئے فلسفے اسے متاثر نہ کر سکیں اور انھیں دینِ حق کی اس کامل تعبیر کی صحیح معرفت نصیب ہو جائے جسے اِقبالؒ نے یوں بیان کیا:

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست		اگر بہ اُو نرسیدی، تمام بولہبی است

پس عشقِ رسول ﷺ کی اَہمیت کو قرآن و حدیث اور سیرت کی روشنی میں اَز سرِ نو نمایاں کرنا اَشد ضروری بلکہ ناگزیر ہو چکا ہے تاکہ دورِ حاضر کے علمی، فکری اور اخلاقی بگاڑ اور عظمت و محبت رسول ﷺ سے ناآشنائی کے سبب پیدا ہونے والے روحانی زوال کا خاتمہ کیا جا سکے۔ ایک حقیقی مومن کی شان یہ ہوتی ہے کہ اس کی نظر میں ایک طرف حضور سیّد دو عالم ﷺ کی وہ محبوبانہ عظمت و شان ہو جو آپ ﷺ کو بارگاہِ خداوندی میں حاصل ہے اور دوسری طرف آپ ﷺ کی سیرتِ طیبہ کے فکری، علمی اور عملی عظمت کے وہ پہلو ہوں جن سے دنیائے علم و عمل جگمگا رہی ہے۔ اس جامع اور ہمہ جہت تصور کو عوام الناس میں متعارف کروانا وقت کا تقاضا ہے تاکہ تعلیماتِ اسلام اور سیرت نبوی

ﷺ کا ایسا متوازن اور جامع تصور سامنے آسکے جو بیک وقت نظروں اور عقلوں کو بھی مطمئن کرے اور دلوں اور روحوں کی اُجڑی بستی بھی سیراب کرے۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ہر قوم اپنے مستقبل کو تابناک اور روشن بنانے کے لئے ماضی کے جھروکوں میں جھانک کر اور اپنی داستانِ عروج و زوال کی ورق گردانی کر کے مستقبل کے لئے نہ صرف خدوخال وضع کرتی ہے بلکہ انہیں عملاً اپنے اوپر نافذ بھی کرتی ہے۔ جب ہم اُمتِ مسلمہ کی تاریخ عروج و زوال کا بنظر عمیق مطالعہ کرتے ہیں تو یہ عجیب بات ہے کہ ہمیں ایک بنیادی و اساسی نقطہ ہی اس کے عروج و زوال میں نمایاں طور پر نظر آتا ہے وہ نقطہ ذاتِ مصطفی ﷺ سے ربط و تعلق ہے۔ جب یہ تعلق اسوۂ صدیقی و بلالی کی صورت میں استوار ہوتا ہے تو یہی اُمت کے عروج و بلندی کا نقطہ اول بن جاتا ہے۔

شیخ الاسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری حضور نبی اکرم ﷺ سے عشق و محبت اور آپ ﷺ کی سیرتِ مطہرہ کی اتباع و اطاعت کو لازم و ملزوم قرار دیتے ہوئے چہار دانگ عالم میں حقیقی مصطفوی تعلیمات کے فروغ میں سرگرم عمل ہیں۔ آپ ﷺ کی آمد و بعثت، کمالات و فضائل اور شمائل و خصائل کا بیان ہو یا آپ ﷺ کی ہمہ جہتی تعلیمات، شیخ الاسلام نے ہر دو حوالوں سے اپنی تصانیف اور خطابات کے ذریعے ان امور کو نہایت اعلیٰ اور خوبصورت انداز سے اجاگر کیا ہے۔ شیخ الاسلام نے واضح کیا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی سیرت مبارکہ صرف اہلِ ایمان کے لئے ہی نہیں بلکہ عالمِ انسانیت کے لئے مینارۂ نور اور انسانی معاشرے کی تہذیبی و معاشرتی لحاظ سے مثالی تشکیل دینے کا سرچشمہ ہے۔ آپ ﷺ کا فیض حقیقی معنی میں اسی وقت کسی کے دل میں جاگزیں ہوگا جب کوئی محبت و عشقِ مصطفی ﷺ میں ڈوب کر سیرتِ رسول ﷺ کا مطالعہ کرے گا۔ اس لیے کہ یہی محبت و عشقِ مصطفی ﷺ اسے سیرتِ مطہرہ کے ہر گوشے پر عمل کرنے پر ابھارنے میں اہم کردار ادا کرے گا۔

آیئے! ماہِ ربیع الاول کے ان پر سعید اور بابرکات لمحات میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور صلحائے اُمت کے تذکرے عام کریں جنہوں نے اپنی زندگیاں حضور ﷺ کی محبت اور والہانہ عشق میں گزاریں اور قدم قدم پر ایسے ان مٹ نقوش ثبت کئے ہیں کہ رہتی دنیا تک کوئی محب اپنے محبوب کے لئے ایسے نذرانے پیش نہیں کر سکتا۔ صحابہ کرام، اہل بیت اطہار اور اولیائے عظام کی ان ہی اداؤں کو آج بھی ہم اپنے لئے نمونہ بنا سکتے ہیں کیونکہ پریشان حال امت کے دکھوں کا مداوا حضور ﷺ کے عشق و محبت میں سرشار ہو کر آپ ﷺ کی سنت و اتباع کو اپنائے بغیر ناممکن ہے۔

(چیف ایڈیٹر: ماہنامہ منہاج القرآن)

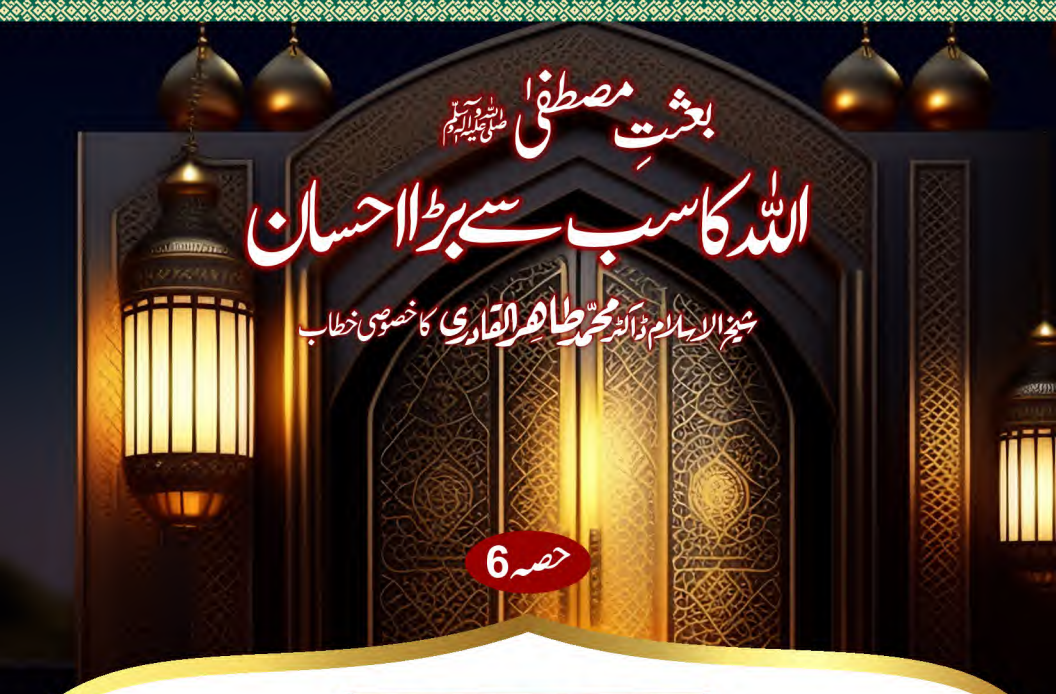

بعثتِ مصطفیٰ ﷺ

اللہ کا سب سے بڑا احسان

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا خصوصی خطاب

حصہ 6

ترتیب و تدوین: محمد یوسف منہاجین

اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلاً۔ (آل عمران، ۳: ۱۶۴)

”بے شک اللہ نے مسلمانوں پر بڑا احسان فرمایا کہ ان میں انہی میں سے (عظمت والا) رسول (ﷺ) بھیجا۔“

قرآن و سنت کی روشنی میں عقائدِ صحیحہ کے موضوع پر اس سلسلہ وار تحریر میں اس methodology اور شرعی و دینی اصول و ضابطے کو بیان کیا جارہا ہے جس سے ایک عام مسلمان کو یہ سمجھنے میں مدد مل سکے کہ عقائد کے باب میں قرآن و سنت کی کون سی تعبیر و تشریح اور توضیح صحیح اور کون سی غلط ہے۔ جس طرح صحیح اور غلط کی تعبیر کے لیے دنیا کے ہر علم و فن اور سائنسز میں فارمولا، کلیہ اور ضابطہ ہوتا ہے، اسی طرح کا ضابطہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے مسلمانوں کو قرآن و سنت کے حوالے سے بھی عطا کیا ہے۔ اگر ہم اس ضابطے کی پیروی کیے بغیر اپنی مرضی سے قرآنی آیات کی معنوی تاویلات شروع کر دیں، اپنی طبیعت اور رجحان کے مطابق عقائد کی تشریحات کرنا شروع کر دیں اور ہر عالم، خطیب اور مبلغ اس بات پر اصرار کرے کہ ”جو تشریح میں کر رہا ہوں، یہی درست اور حق ہے، میرا کہنا ہی دراصل قرآن کا صحیح نقطۂ نظر اور موقف ہے“ تو اس سے سوائے تفرقہ و انتشار اور گمراہی کے کچھ نصیب نہیں ہوتا۔

(خطاب نمبر: Ci-28) (10 دسمبر 2013ء) (مقام: کینیڈا)

پس ہمیں اپنی ذاتی پسند و ناپسند کو نظر انداز کر کے اپنی من مانی تشریح اور تعبیر کی خواہشات کو قرآن مجید اور حدیث و سنتِ رسول ﷺ اور دین کے دیے ہوئے اصول، قاعدے اور ضابطے کے سامنے سر نگوں کرنا ہوگا۔ یاد رکھیں کہ اسلام نام ہی سرِ تسلیم خم کرنے کا ہے۔ اگر ہم دین کے عطا کردہ قاعدے اور ضابطے کے سامنے سرِ تسلیم خم کر لیں تو پھر ہم گمراہی کے بہت سے امکانات سے بچ جاتے ہیں۔

یہ کہنا کہ ”صرف قرآن حجت ہے یا محض قرآن ہی کافی ہے اور ہم قرآن کے سوا کسی کو حجت نہیں مانتے، یعنی حدیثِ رسول اور سنتِ نبوی ﷺ میں سے کسی کو حجت نہیں مانتے، اُن کی حیثیت صرف اُس دور کے حالات کے مطابق ایک رہنما کی تھی، جس سے اسلامی تعلیمات، عقائد اور احکام کی روشنی لی جاتی تھی،“ یہ کفر و الحاد اور انکارِ قرآن ہے۔

اللہ رب العزت نے ہمیں بے شمار نعمتیں عطا کی ہیں۔ اس کی ہر عنایت اور رحمت اس کی طرف سے ملنے والی نعمت ہی ہے اللہ تعالیٰ نے ہمیں لاتعداد نعمتوں سے نوازنے کے باوجود کسی نعمت پر احسان نہیں جتلایا لیکن قرآن مجید میں دو چیزیں ایسی بیان فرمائی ہیں جن کا ذکر کر کے اُنھیں اپنا احسانِ عظیم قرار دیا ہے:

۱۔ اُن میں سے ایک نعمت ذاتِ مصطفی ﷺ ہے۔، جن کے بارے میں ارشاد فرمایا:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلاً۔

”بے شک اللہ نے مسلمانوں پر بڑا احسان فرمایا کہ ان میں انہی میں سے (عظمت والا) رسول (ﷺ) بھیجا۔“ (آل عمران، ۳: ۱۶۴)

۲۔ دوسرے مقام پر 'ایمان' کو اللہ نے اپنا احسان قرار دیا ہے۔ ارشاد فرمایا:

يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔ (الحجرات، ۴۹: ۱۷)

”یہ لوگ آپ پر احسان جتلاتے ہیں کہ وہ اسلام لے آئے ہیں۔ فرما دیجیے: تم اپنے اسلام کا مجھ پر احسان نہ جتلاؤ بلکہ اللہ تم پر احسان فرماتا ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کا راستہ دکھایا ہے، بشرطیکہ تم (ایمان میں) سچے ہو۔“

گویا حضور علیہ السلام کے وجودِ مسعود، آپ کی ولادتِ مبارکہ، آپ کی بعثتِ طیبہ، آپ ﷺ کے بطورِ نبی دنیا میں تشریف لانے کو اللہ تعالیٰ نے اپنا احسانِ عظیم کہا ہے۔ اللہ تعالیٰ جس ہستی کو دنیا میں مبعوث کرنا اپنا احسان قرار دے، اگر اس ہستی کو حجت نہ مانا جائے تو پھر ایمان کی بھی کوئی حیثیت نہیں رہتی۔

ایمان اور ذاتِ مصطفی ﷺ دونوں میں سے عظیم احسان کون سا ہے؟

جب یہ دونوں چیزیں یعنی ایمان اور رسول اکرم ﷺ کا وجودِ مسعود اور آپ ﷺ کی بعثت مبارکہ اللہ تعالیٰ کا ہم پر احسان ہوئیں تو اب سوال یہ ہے کہ ان دو میں سے بڑا احسان کون سا ہے؟ آیئے! اس کا جواب بھی قرآن مجید سے لیتے ہیں۔

امت کے ہر فرد کو اللہ تعالیٰ نے ایمان تک کیسے رسائی دی؟ اس حوالے سے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا۔ (آل عمران، ۳: ۱۹۳)

”اے ہمارے رب! (ہم تجھے بھولے ہوئے تھے) سو ہم نے ایک ندا دینے والے کو سنا جو ایمان کی ندا دے رہا تھا کہ (لوگو!) اپنے رب پر ایمان لاؤ تو ہم ایمان لے آئے۔“

مومن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں: اے ہمارے رب! تو نے نبی اور رسول ﷺ کی صورت میں ایک منادی بھیجا، جو حق اور ایمان کی طرف بلانے والے تھے۔ ہم سوئے ہوئے تھے، انھوں نے ہمیں بیدار کیا۔ وہ ایمان کا سودا بیچ رہے تھے اور ایمان کی دولت عطا کرنے کے لیے بلا رہے تھے کہ اس ایمان کے سودے کے طلبگار کون ہے؟

گویا ایمان قبول کرنے میں ہمارا کوئی دخل، بڑائی، انفرادیت اور کامیابی نہیں ہے بلکہ ہم تو خوابِ غفلت میں تھے۔ ہمیں کیا خبر تھی کہ ایمان کیا ہے؟ ہم تو باری تعالیٰ کو بھی جانتے اور پہچانتے نہ تھے۔ ہم نے نہ اللہ کی آواز کو سنا اور نہ اس کے بھیجے ہوئے فرشتے کو دیکھا اور نہ وحی کو نازل ہوتے دیکھا۔ ہم تو اس قابل بھی نہیں تھے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اُسے سننے اور دیکھنے کی صورت میں ربط قائم کر سکتے۔ ہم پیکرانِ بشریت اور مادی جسم کے لوگ گمراہی، ضلالت، جہالت، بے خبری، خوابِ غفلت اور کفر و شرک کے اندھیروں میں پڑے ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم پر پہلا احسان یہ کیا کہ اس نے ہماری طرف رسول بھیجا جو ہم میں سے ہی ہیں، تاکہ ہم انھیں جان اور پہچان سکیں۔ اُن کے اعلانِ نبوت سے قبل کے چالیس برس؛ بچپن، لڑکپن، اٹھنا بیٹھنا، کلام و سکوت، اخلاق و معاملہ، کردار کی طہارت، قول کی سچائی، شخصیت، صدق، اخلاص، پاکیزگی، گناہوں اور خطاؤں سے پاک ہونا، یہ سب ہمارے سامنے تھا۔ وہ اس قابل تھے کہ ان پر آنکھیں بند کر کے بھی اعتماد کیا جا سکے۔ گویا ایسے عظیم المرتبت رسول ﷺ کو اللہ نے ہم میں بھیجا اور یہ اس کا پہلا احسان تھا کہ اس نے اپنے اور ہمارے درمیان اپنے محبوب ﷺ کو ایک واسطہ مقرر فرمایا۔

شخصیتِ مصطفی ﷺ کے دو گوشے

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی شخصیت کو جامع بنایا۔ اس جامعیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے

کہ آپ ﷺ کی شخصیت کے دو گوشے ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی شخصیت میں عالمِ امر بھی رکھا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی شخصیت میں عالمِ خلق بھی رکھا

آپ ﷺ اللہ کا کلام اور وحی قبول کر سکتے ہیں، اسے سمجھ سکتے ہیں اور اپنے دل میں سموتے ہوئے اُسے محفوظ رکھ سکتے ہیں۔ وہ اللہ کے کلام کے وصول کنندہ ہیں جبکہ یہ ہم نہ کر سکتے تھے، نہ ہم سے ہو سکتا تھا اور نہ ہمارے اندر یہ صلاحیت اور استعداد تھی۔ عام انسان اس صلاحیت سے محروم تھے اور محروم ہیں۔ آپ ﷺ کے اندر صلاحیت یہ ہے کہ وہ اللہ کے کلام کو وصول کر سکتے ہیں، جو ہم نہیں کر سکتے تھے۔ اس لیے کہ نورِ حق کو وصول کرنے کے لیے بھی نور چاہیے۔ یہ وحی جس عالم سے آئی ہے اس وحی کو اپنے اندر جذب کرنے کے لیے اِس عالم سے بھی بہتر نورانی جسم چاہیے، تاکہ وہ اسے وصول کر سکے۔

پس ایک طرف اس رسول ﷺ نے اس کلام کو اللہ تعالیٰ سے وصول کیا اور دوسری طرف اس رسول ﷺ کا ایک تعلق اللہ تعالیٰ نے عالمِ بشریت کے ساتھ بھی قائم فرمایا اور آپ ﷺ میں بشری خوبیاں بھی رکھیں۔ گویا اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو نورانیت اور بشریت کا مرقع اور مجموعہ بنایا۔ وہ اپنے نور ہونے کی capacity میں اللہ کا کلام جبرائیلِ امین سے وصول کر رہے تھے اور بشریت کی capacity میں انسانیت تک پہنچا رہے تھے۔ وہ رسول ﷺ ہم سے بھی بطریقِ رسالت جڑے ہوئے تھے۔ ان کا تعلق اور اتصال اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ بھی تھا اور ان کا تعلق اور اتصال ہمارے ساتھ بھی تھا۔ وہ اُدھر سے لیتے تھے اور اِدھر دیتے تھے۔

افسوس کہ آج ایمان مل جانے کے بعد لوگ کہتے پھرتے ہیں کہ رسول ﷺ کا کلام اور حدیث حجت نہیں، فقط قرآن کافی ہے۔ ایسے لوگوں سے سوال یہ ہے کہ کیا قرآن کی وحی ان پر آئی ہے؟ کیا جبرائیل امین ان پر نازل ہوتے ہیں؟ ان لوگوں کے اندر تو یہ صلاحیت ہی نہیں ہے۔ یہ باری تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے اپنا رسول ﷺ ہمارے اندر بھیجا، جو اس کے اور ہمارے درمیان واسطہ اور وسیلہ بن گیا۔ افسوس کہ آج یہ لوگ اسی وسیلے کا انکار کرنا چاہتے ہیں۔

معجزات و کمالاتِ مصطفی ﷺ کے ظہور کا سبب

پس اُس رسول ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے احکامات لے کر ہمیں ندا دی کہ ایمان لاؤ۔ اس حوالے سے انھوں نے ہمیں سمجھایا اور لاتعداد معجزات بھی دکھائے تاکہ ہم ان پر یقین کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بے شمار معجزات اور قدرت و اختیار اس لیے عطا فرمایا تاکہ ہم یہ دیکھ کر ان کی ندا کو قبول

کرنے والے بن جائیں اور ایمان لے آئیں۔ الغرض اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم ﷺ کو معجزات، کمالات، تصرفات، خیرات و برکات، فضائل، عظمتیں اور رفعتیں سب کچھ ہمارے لیے عطا کیں تاکہ ہم ایمان لے آئیں۔

رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ مبارکہ ہمارے لیے اس لیے اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے کہ وہ ہمیں اللہ کی طرف بلاتے اور اس کا پیغام پہچانتے ہیں۔ ہم متردد تھے کہ بات مانیں یا نہ مانیں، تو انھوں نے کبھی اپنی چالیس سال کی بے عیب زندگی، بے عیب کردار اور بے عیب سیرت کو بطور دلیل بیان فرمایا اور کبھی عالمِ بالا کی کوئی نشانی دکھاتے ہوئے چاند کو دو ٹکڑے کر دیے، پتھروں کو گویائی عطا فرمادی اور کبھی انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری فرمادیے۔

چنانچہ ہم نے اللہ تعالیٰ کو نہیں بلکہ اللہ کے بھیجے ہوئے اس منادی حضور نبی اکرم ﷺ کو سنا کہ وہ فرمارہے تھے کہ میرے پاس ایمان کا سودا ہے، اس کے خریدار بن جاؤ۔۔۔ اللہ تمہیں نظر نہیں آئے گا مگر اُسے میرے کہنے پر مان لو۔۔۔ اگر تم چاہو کہ ہم اُسے بن دیکھے نہیں مانیں گے تو تمھارا وہی حشر ہوگا جو موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے ساتھ ہوا تھا کہ ستر کے ستر لوگ بجلی کی ایک کڑک سے مر گئے تھے۔ تمہیں تو میں ہی نظر آؤں گا، مجھے دیکھو، میری ذات کو دیکھو، میرے کمالات، سیرت، نورانی صورت، عمل، اخلاق، تصرفات، برکات، صداقت، طہارت، جمال اور کمال کو دیکھو۔ پس ہم نے انھیں دیکھا، انھیں سنا، ان کی بات ہمیں پسند آگئی اور ہمارے دل میں اُتر گئی۔ وہ کہہ رہے تھے:

اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ؛ اپنے رب پر ایمان لاؤ۔

وہ رب جسے تم دیکھ اور سن نہیں سکتے، جس کو چُھو نہیں سکتے، جس کا ادراک بھی نہیں کر سکتے، جس کو عقل میں بھی نہیں لا سکتے۔ وہ تمہاری جسمانی استعداد میں آنے والا نہیں ہے، میں تمہیں اس کا بندہ بنانا چاہتا ہوں، تمہیں اس کی طرف لے جانا چاہتا ہوں کہ اس پر ایمان لے آؤ اور مان لو کہ وہ ہے اور ایک ہے۔

سوال ذہن میں آتا ہے کہ جب وہ عقل میں ہی نہیں آسکتا تو کیسے مانیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اُس نے رسول اللہ ﷺ کو اتنا حسین و جمیل اور اتنا باکمال نہ بنایا ہوتا تو شاید ہم اس ندا کو بھی ٹھکرا دیتے مگر اس نے آپ ﷺ کو ایسا بنا کر بھیجا کہ ہم نے ان کی بات کو مان لیا۔ انھوں نے ہمیں ندا دی، ان کی آواز ہمارے دل و دماغ میں اتر گئی۔ ہم نے ان کے ظاہر و باطن اور کمالات کو دیکھا تو ہم نے ان کی بات کو مان لیا اور ان کے کہنے پر اللہ تعالیٰ کو بن دیکھے مان لیا کہ وہ ہے۔ گویا وہ جو ہمارے سامنے تھا، بس اُس کو دیکھا اور اللہ کو مان لیا۔

رسول اللہ ﷺ کی سنت کی حجیت کا انکار کرنے والے کس اسلام، قرآن اور اللہ کے ساتھ تعلق کے دعویدار بنے پھرتے ہیں۔ وہ اپنے اس تعلق پر غور کریں کہ جن کی شخصیت اور پوری حیاتِ مبارکہ کے ایک ایک لمحہ کو دیکھ کر اُس (اللہ) کو مانا، اُن ہی کو حجت ماننے سے انکار کرتے ہیں۔ پس جس کے وسیلے سے ایمان ملا، اُن سے بڑا احسان کون سا ہوگا۔ پس رسول اللہ ﷺ کی صورت میں موجود وسیلہ پہلا اور سب سے بڑا احسان ہے جن کے سبب ایمان ملا اور پھر ان کے بعد اللہ کا ہم پر دوسرا عظیم احسان ایمان ہے۔ مذکورہ آیت مبارکہ کی ترتیب بتا رہی ہے کہ پہلے ایمان، اسلام اور قرآن نہیں آیا بلکہ ''اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا'' کے مصداق وہ ندا دینے والا رسول ﷺ پہلے آیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسلام، ایمان اور قرآن میں سے کچھ بھی ہمیں براہِ راست نہیں دیا۔ اُس نے تو براہِ راست ہمارے ساتھ تعلق ہی پیدا نہیں کیا اور نہ ہی ہماری طرف فرشتوں کو بھیجا، بلکہ حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ براہِ راست تعلق پیدا کیا اور انہیں ختم نبوت کا تاج پہنایا۔ اب ہم قیامت تک ان ہی کے محتاج اور احسان مند ہیں۔

پس جب ایمان تک ہر چیز کا انحصار آقا علیہ السلام کی ذاتِ گرامی پر ہے تو آپ ﷺ کی ذات گرامی، آپ ﷺ کے ہر قول، دعوت، ارشاد اور فرمان کو، حجت کیوں نہ مانا جائے۔ اگر اس کے حجت ہونے کا انکار کر دیا جائے تو پھر اللہ کے ہونے پر اسلام میں کیا چیز حجت اور دلیل کے طور پر باقی رہتی ہے؟ حدیثِ و سنتِ رسول ﷺ کی حجیت کے منکرین سے سوال ہے کہ وہ کس ایمان کے دعوے کرتے ہیں، اس لیے کہ رسول ﷺ بھی اللہ کا احسان اور ایمان بھی اللہ کا احسان مگر قرآن مجید کے مطابق ان دونوں میں سے بڑا احسان رسول اکرم ﷺ کی ذاتِ مبارکہ کو قرار دیا ہے۔

دعوتِ رسول ﷺ کو کاملاً قبول کرنے سے ہی ایمان نصیب ہوگا

اللہ رب العزت نے ایک اور مقام پر فرمایا:

وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ۔ (الحدید، ۵۷:۸)

''اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ پر ایمان نہیں لاتے، حالاں کہ رسول (ﷺ) تمہیں بلا رہے ہیں کہ تم اپنے رب پر ایمان لاؤ۔''

قرآن مجید کی مذکورہ آیت مبارکہ میں واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا مدار ہی اس بات پر ہے کہ دعوتِ رسول ﷺ کو قبول کیا جائے۔ یہ بڑی عجیب بات ہو گی کہ ہم نے اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے حوالے سے دعوتِ رسول ﷺ کو تو قبول کر لیا لیکن باقی فرامینِ رسول کو قبول نہیں کرتے اور انھیں حجت نہیں مانتے۔ اس طرح تو اپنی مرضی کا دین بن گیا اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا

دین نہ رہا۔ ایسا تصورِ دین من گھڑت تصور ہے۔ اس کا اسلام، قرآن اور اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اللہ رب العزت نے تو قاعدہ یہ بیان کیا ہے کہ اللہ پر ایمان لانے کا راستہ صرف یہی ہے کہ رسول ﷺ کی دعوت کو قبول کرو۔ رسول ﷺ کی دعوت کیا ہے؟ وہ رسول اللہ ﷺ کا قول اور عمل ہے۔ پس رسول ﷺ کی باتوں کو قبول کرو اور اللہ پر ایمان لاؤ۔ گویا اس آیت میں در اصل اللہ کہہ رہا ہے کہ میرے رسول ﷺ کی بات کو کیوں نہیں مانتے حالانکہ ان ہی کے قول و عمل کو تسلیم کرنے اور ان کی دعوت اور پکار پر سرِ نیاز خم کرنے سے ایمان نصیب ہوگا۔

زیرِ بحث مضمون کو قرآن مجید کی نگاہ سے دیکھنے سے اُن لوگوں کے دعویٰ کی حقیقت بے نقاب ہو جاتی ہے جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ صرف قرآن ہی حجت ہے۔ صرف قرآن مجید کو حجت ماننے والے قرآن مجید کی اس بات کو بھی تو مانیں کیونکہ قرآن مجید کی کچھ بات مانیں اور کچھ نہ مانیں تو یہ قرآن مجید سے سراسر انحراف ہے۔ اگر صرف قرآن ہی حجت ہے تو قرآن جو کچھ کہتا ہے، کیا ہم اس کو مانتے ہیں؟ نہیں! بلکہ ہم مانتے اپنے خود ساختہ تصور کو ہیں اور کہتے ہیں کہ صرف قرآن حجت ہے۔ ایسا کرنا قرآن کے ساتھ مذاق ہے۔

ذاتِ مصطفیٰ ﷺ اور قرآن مجید کا باہمی تعلق

حضور نبی اکرم ﷺ کی ذات گرامی، آپ ﷺ کی دعوت، قول، عمل، سنت اور حدیث کا مقام کیا ہے اور قرآن کا مقام کیا ہے؟ ان کے آپس کے تعلق کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

الٓرٰ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ۔ (ابراہیم، ۱۴: ۱)

”الف لام را (حقیقی معنی اللہ اور رسول ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں)، یہ (عظیم) کتاب ہے جسے ہم نے آپ کی طرف اتارا ہے تاکہ آپ لوگوں کو (کفر کی) تاریکیوں سے نکال کر (ایمان کے) نور کی جانب لے آئیں (مزید یہ کہ) ان کے رب کے حکم سے اس کی راہ کی طرف (لائیں) جو غلبہ والا سب خوبیوں والا ہے۔“

اس آیت کریمہ میں غور طلب نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے براہِ راست لوگوں کو مخاطب نہیں کیا کہ اے لوگو! یہ ہماری کتاب قرآن ہے جو ہم نے تمہاری طرف اتاری ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا کہ اے حبیب ﷺ! اس کتاب کو ہم نے آپ ﷺ کی طرف نازل کیا ہے، اس کے حامل اور

وارث میرے محبوب آپ ﷺ ہیں اور اس کو اتارا اس لیے ہے تاکہ آپ ﷺ لوگوں کو گمراہیوں کے اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جائیں۔

پس قرآن کا فیصلہ آگیا کہ اللہ نے اپنا پیغام اور اپنی تعلیمات و ہدایات کا مجموعہ آپ ﷺ پر نازل فرمایا اور نازل کرکے فرمادیا کہ اب یہ قرآن آپ ﷺ کی میراث ہے۔ اب آگے آپ ﷺ کا کام ہے کہ لوگوں کو اللہ کے اذن سے گمراہی سے نکال کر قرآن، اسلام اور ہدایت کی روشنی کی طرف لے جائیں۔

معلوم ہوا کہ اللہ کی راہ کی طرف بلانا بھی رسول ﷺ کا کام۔۔۔ اللہ کی راہ پر چلانا بھی رسول ﷺ کا کام۔۔۔ اندھیروں سے نکالنا بھی رسول ﷺ کا کام۔۔۔ روشنی میں لے جانا بھی رسول ﷺ کا کام ہے۔ کتنے تعجب کی بات ہوگی کہ اسی رسول ﷺ کی سنت کو ہم حجت ماننے سے انکار کردیں اور کہیں کہ قرآن ہی کافی ہے۔ قرآن اللہ نے رسول ﷺ کو عطا کیا اور رسول ﷺ نے اللہ کے اذن سے امت کو عطا کیا۔ اس سے بڑھ کر بے وفائی کیا ہوگی کہ ہدایت کا جو ذخیرہ ملا، وہ تو حجت ہے مگر اس ہدایت کو دینے والا حجت نہیں ہے۔ ایسی بے وفائی پر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے دھتکار دیا جائے گا اور کہا جائے گا تم مجھے کب پہنچانتے اور جانتے تھے؟ میں نے تو تمہاری طرف قرآن نہیں بھیجا تھا اور نہ تم پر جبرائیل امین کو نازل کیا۔ میں نے تو تمہیں مخاطب ہی نہیں کیا تھا۔ مجھے جب اپنی توحید اور ایک ہونے کا پیغام دینا مقصود تھا تب بھی میں نے تمہیں مخاطب نہیں کیا بلکہ تب بھی میں نے اپنے محبوب سے کہا تھا کہ:

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ۔ (الاخلاص، ۱۱۲: ۱)

”(اے نبی مکرّم ﷺ!) آپ فرما دیجیے: وہ اللہ ہے جو یکتا ہے۔“

اس طرح جب تمھیں ہدایت دینا تھی، تب بھی وہ ہدایت تمھیں اسی رسول ﷺ کے ذریعے ملی تھی۔ یہ شان بھی آقا علیہ السلام ہی کی تھی کہ:

وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ۔ (الشوریٰ، ۴۲: ۵۲، ۵۳)

”اور بے شک آپ ہی صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت عطا فرماتے ہیں۔ (یہ صراطِ مستقیم) اسی اللہ ہی کا راستہ ہے جو آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کا مالک ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے آقا علیہ السلام کے حوالے سے مذکورہ آیت میں قطعی طور پر کہہ دیا کہ بے شک آپ ﷺ ہی ہیں جو صراط مستقیم کی طرف بلاتے ہیں اور سیدھا راستہ دکھاتے ہیں۔ اسی بات کو ایک اور مقام پر یوں بیان فرمایا:

وَاِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔ (المومنون، ۲۳: ۷۳)

”اور بے شک آپ تو (انہی کے بھلے کے لیے) انہیں سیدھی راہ کی طرف بلاتے ہیں۔“

اس آیت میں بھی یہی بیان ہے کہ راہِ حق کی طرف بلانے والے آپ ﷺ ہیں۔ پس آپ ﷺ کی شان یہ ہے کہ آپ ﷺ سیدھا راستہ دکھاتے بھی ہیں اور اس کی دعوت بھی دیتے ہیں۔

اب اگر یہ کہا جائے کہ جو سیدھی راہ رسولِ اکرم ﷺ نے دکھائی، اس میں سے صرف قرآن حجت ہے، باقی کچھ بھی حجت نہیں ہے، حتیٰ کہ راہ دکھانے والا پیغمبر، ان کا قول، عمل اور سنت بھی حجت نہیں ہے تو اس سے بڑا کفر، بے وفائی اور دین کے ساتھ دھوکہ دہی کوئی نہیں۔ حدیث و سنت کو نظر انداز کرنا، اہمیت نہ دینا، حجت نہ ماننا؛ جہالت اور دین کو ذبح کرنا ہے۔ ایسا نظریہ رکھنے والے پوری امت کو گمراہ کر رہے ہیں۔ ان کا انجام جہنم کے سوا کچھ نہیں۔

حیران کن امر یہ ہے کہ رسول ﷺ کی بات کو حجت نہ ماننے والے اتنی سی بات کا بھی ادراک نہیں کر پا رہے کہ کس نے انھیں قرآن پہنچایا، پڑھایا اور سمجھایا تھا۔۔۔؟ کس نے قرآن پر عمل کر کے دکھایا۔۔۔؟ کس نے قرآن کی تشریح و تعبیر کی تھی۔۔۔؟ یہ کہتے ہیں کہ ”کچھ حجت نہیں ہے، بس قرآن کافی ہے، لہٰذا اب قرآن کا جو معنیٰ ہماری سمجھ میں آئے گا، اس کے مطابق تعبیر و تشریح کریں گے،“ ان کے اس طرزِ عمل سے تو دین ایک مذاق بن کر رہ جائے گا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ہدایت دینے والے، سیدھی راہ دکھانے اور اس کی طرف بلانے والے، ایمان کا سبب بننے والے، اللہ کا پیغام پہنچانے اور سمجھانے والے، گمراہی سے نور کی طرف اندھیروں سے روشنی کی طرف اور ضلالت سے ہدایت کی طرف لے جانے والے آپ ﷺ ہی ہیں۔ آپ ﷺ کی سنت، حدیث، قول و فعل، اسوہ اور حیات و سیرت کو حجت نہ ماننا اور اسے تاریخ بنا دینا اور کہہ دینا کہ یہ اُس دور کے لیے تھا، اس سے تو ہمارے دور کے لیے (معاذ اللہ) دین کا منبع و مصدر اور ہدایت، نور اور ایمان کی دعوت دینے والا کوئی اور بن جائے گا۔ ایسا ہونا ناممکن ہے۔ اس لیے کہ جو شانیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آقا علیہ السلام کو عطا ہوئیں، یہ تا قیامت اسی طرح قائم و دائم رہیں گی اور ہر شخص ایمان، ہدایت، نور اور روشنی کے لیے آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی کا ہی محتاج رہے گا۔

(جاری ہے)

عدالتی نکاح کی شرعی حیثیت

دارالافتاء تحریک منہاج القرآن، زیرِ نگرانی: مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی

سوال: تعلیمی اخراجات کی ادائیگی کے لیے بینک سے قرض لینے کا کیا حکم ہے۔ نیز اس سلسلہ میں بینک کسی چیز کو بطورِ ضمانت رکھوانے کا بھی کہہ رہا ہے، اس حوالے سے کیا احکامات ہیں؟

جواب: کسی سے کوئی چیز خریدنے یا قرضہ لینے پر بطور ضمانت کوئی چیز اس شرط پر بائع یا قرض خواہ کے پاس رکھنا کہ جب مشتری یا مقروض قیمت یا قرض ادا کرے گا تو بطورِ ضمانت رکھی ہوئی شئے اسے واپس مل جائے گی، اس معاملے کو رہن یا گروی کہا جاتا ہے۔ شریعتِ اسلامی نے مشروع امور میں رہن یا گروی کو جائز و مباح قرار دیا ہے۔ قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ اِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِی اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ.

اور اگر تم سفر پر ہو اور کوئی لکھنے والا نہ پاؤ تو باقبضہ رہن رکھ لیا کرو، پھر اگر تم میں سے ایک کو دوسرے پر اعتماد ہو تو جس کی دیانت پر اعتماد کیا گیا اسے چاہئے کہ اپنی امانت ادا کر دے اور وہ اللہ سے ڈرتا رہے جو اس کا پالنے والا ہے۔ (البقرۃ، ۲: ۲۸۳)

ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

ان النبی ﷺ اشتری طعامًا من یھودی اِلٰی اجل و رھنہ دِرعًا من حدید. (بخاری، الصحیح، ۲: ۷۲۹، رقم: ۱۹۶۲)

نبی اکرم ﷺ نے ایک یہودی سے ایک مدت تک ادھار غلہ خریدا اور اس کے پاس اپنی لوہے کی ذرع رہن رکھی تھی۔

ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ﷺ

تُوُفِّی رسول اللہ ﷺ و درعہ مرھونۃ عند یھودی بثلاثین صاعًا من شعیر.

رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی تو اس وقت آپ کی ذرع ایک یہودی کے پاس تیس (30) صاع جَو کے بدلے رہن رکھی ہوئی تھی۔ (بخاری، الصحیح، ۳: ۱۰۶۸، رقم: ۲۷۵۹)

درج بالا آیت و روایات سے واضح ہوا کہ قرض یا بیع و شرا کے معاملے میں گروی کا مطالبہ کرنا شرعاً جائز ہے۔

لہذا قرض دیتے ہوئے بینک کا ضمانت کا مطالبہ کرنا شرعاً جائز ہے۔ لیکن دوسرا امر یہ ہے کہ لازم ہے کہ یہ قرضِ حسنہ ہو، سودی قرض نہ ہو۔ سود لینا اور دینا مطلقاً حرام ہے؛ البتہ مجبور و محتاج کے لیے اس کی گنجائش ہے۔

"یَجُوْزُ لِلْمُحْتَاجِ اَلِاسْتِقْرَاضُ بِالرِّبْحِ" (الاشباہ) شرعاً محتاج اس شخص کو کہا جائے گا جو کمانے کی قدرت نہ رکھتا ہو اور اسے بغیر سود کے کہیں سے قرض بھی نہ مل رہا ہو کہ وہ اس سے اپنا گزر بسر کر سکے۔ ایسی صورت میں سودی قرض لینا جائز ہوگا اور قرض لینے والا گنہگار نہ ہوگا۔ سائل کا معاملہ کیونکہ محتاجی والا نہیں ہے اور نہ اسے درپیش ضرورت ایسی ہے کہ جس کے لیے سودی قرض کا جواز بنتا ہو، اس لیے سائل کو چاہیے کہ وہ تعلیمی اخراجات کی ادائیگی کے لیے ایسے بینک یا ادارے سے قرض لے جو بلاسود قرض فراہم کر رہا ہو۔

سوال: کیا دورِ حاضر میں غریب سادات کرام کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے؟ نیز کیا علوی، ہاشمی، عباسی یا قریشی کو بھی زکوٰۃ دی جاسکتی ہے؟

جواب: علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ نے بنی ہاشم کے بارے میں جو بیان کیا ہے اس کا مفہوم یہ ہے:

عبد مناف نبی کریم ﷺ کے چوتھے اَبّ ہیں۔ انہوں نے چار بیٹے چھوڑے: ہاشم، مطلب، نوفل اور عبد الشمس۔

پھر ان میں سے سوائے عبد المطلب کے باقی تین کی نسل ختم ہو گئی۔ عبد المطلب کے بارہ (12) بیٹے تھے ان میں سے جس کی بھی نسل مسلمان ہو اور غریب ہو، اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے سوائے: عباس، حارث، اور ابو طالب کی اولاد کے۔ ابو طالب کی اولاد حضرات علی، جعفر اور عقیل رضی اللہ عنہم ہیں۔

ہاشمی، قریشی، عباسی بھی اسی حکم میں داخل ہیں۔ مگر اس حکم کے نفاذ کیلئے سلسلۂ نسب بسند ثابت ہونا ضروری ہے۔ اگر ثابت ہو جائے کہ کوئی شخص مذکورہ میں سے کسی نسب سے متعلق ہے تو اسے زکوٰۃ و صدقات نہیں دیئے جائیں گے بلکہ اس کی مدد مالی ہدیے اور تحائف سے کی جائے گی۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سادات کیلئے زکوٰۃ لینا ناجائز قرار دیا ہے۔

چنانچہ مالی حوالے سے کمزور سادات کیلئے ایسے فنڈز قائم کیے جا سکتے ہیں جن میں زکوٰۃ کے علاوہ رقم جمع کی جائیں اور پھر نہایت رازداری کے ساتھ تنگ دست سادات کو دیئے جائیں۔ لیکن اگر کوئی ایسا فنڈ قائم نہیں ہے تو اس صورت میں بعض علماء کرام نے گنجائش نکالی ہے کہ زکوٰۃ کی رقم سے بھی ان کی مدد کی جا سکتی ہے۔

ابو عصمہ رحمۃ اللہ علیہ نے ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے رویت کی ہے کہ ہمارے زمانے میں بنی ہاشم کو زکوٰۃ دینا جائز ہے کیونکہ ان پر یہ (زکوٰۃ، عشر، فطرانہ، فدیہ) جائز نہ ہونے کی وجہ خمس (مال غنیمت کا پانچواں حصہ جو ان کو ملتا) تھا جو کہ آج کل نہیں ملتا۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک بنی ہاشم کے امیر غریب بنی ہاشم کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں، امام ابو یوسف اس کے خلاف ہیں۔ صحیح تر قول یہ ہے کہ ہاشمی کو زکوٰۃ دینا درست نہیں۔ (ابن عابدین، رد المختار، ۲: ۳۵۰)

مذکورہ بالا عبارت سے معلوم ہوا عبد مناف کے بیٹے ہاشم سے چلنے والی نسل بنی ہاشم ہیں، ان میں سے جو مسلمان ہو اور مستحق بھی ہو، زکوٰۃ لے سکتا ہے اور جن پر خمس سے حصہ ملنے کی وجہ سے زکوٰۃ جائز نہیں تھی وہ بھی جائز ہو گئی کیونکہ آج کے زمانے میں نہ اس دور کی طرح جنگیں رہیں اور نہ ہی آئے روز مال غنیمت کی آمد رہی۔ اس لئے آج کے دور میں غریب بنی ہاشم کو اگر ضرورت پڑے تو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ ممانعت کی جو وجہ تھی وہی ختم ہو گئی۔ لہٰذا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فاطمی و غیر فاطمی اولاد یا ان کے علاوہ جس جس پر بھی خمس کی وجہ سے زکوٰۃ جائز نہیں تھی، ان میں سے اگر کوئی غریب ہو اور اس کی مدد کا کوئی متبادل راستہ بھی نہ ہو تو اس کو زکوٰۃ، عشر اور صدقہ فطر دے سکتے ہیں۔ لیکن احترام کی خاطر ان کو بتانے کی بجائے تحفتاً پیش کیا جائے تو بہتر ہے۔

سوال: عدالتی نکاح (COURT MARRIAGE) کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

جواب: بالغ لڑکا، لڑکی اپنی پسند اور مرضی سے دستور کے مطابق نکاح کر سکتے ہیں۔ یہ حق ان کو

قرآن وحدیث اور تقریباً ہر ملکی قانون نے دیا ہے مگر ہمارے سماج نے نہ دیا یہی وجہ کورٹ میرج میں اضافے کا سبب بھی ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ. (النساء، ۴: ۳)

اپنی پسند کی عورتوں سے نکاح کرو۔

یہ پسند دو طرفہ ہو گی، لڑکے کی طرف سے بھی اور لڑکی کی طرف سے بھی، کسی پر اس کی مرضی کے خلاف کوئی فیصلہ ٹھونسا نہیں جاسکتا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک اور مقام پر شادی کا مقصد بیان فرمایا:

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ۔ (الروم، ۳۰: ۲۱)

اور یہ (بھی) اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے جوڑے پیدا کیے تاکہ تم ان کی طرف سکون پاؤ اور اس نے تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کر دی، بے شک اس (نظامِ تخلیق) میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو غور و فکر کرتے ہیں۔

اس ضمن میں چند احادیث درج ذیل ہیں:

۱۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

أَنَّ الْمُغِيرَةَ بْنَ شُعْبَةَ أَرَادَ أَنْ يَتَزَوَّجَ امْرَأَةً فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ اذْهَبْ فَانْظُرْ إِلَيْهَا فَإِنَّهُ أَحْرَى أَنْ يُؤْدَمَ بَيْنَكُمَا فَفَعَلَ فَتَزَوَّجَهَا فَذَكَرَ مِنْ مُوَافَقَتِهَا.

مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے ایک عورت سے نکاح کرنے کا ارادہ کیا۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جاؤ اسے دیکھ لو کیونکہ اس سے شاید اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں محبت پیدا کر دے۔ انہوں نے ایسا ہی کیا، پھر اس سے نکاح کر لیا، بعد میں حضور نبی اکرم ﷺ سے اس نے اپنی بیوی کی موافقت اور عمدہ تعلق کا ذکر کیا۔ (أحمد بن حنبل، المسند، ۴: ۲۴۶، رقم: ۱۸۱۷۹)

۲۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لَا تُنْكَحُ الْأَيِّمُ حَتَّى تُسْتَأْمَرَ وَلَا تُنْكَحُ الْبِكْرُ حَتَّى تُسْتَأْذَنَ قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ وَكَيْفَ إِذْنُهَا قَالَ أَنْ تَسْكُتَ.

بیوہ کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے اور کنواری لڑکی کا نکاح بھی اس کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے۔ لوگوں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! کنواری کی اجازت کیسے معلوم ہوتی ہے؟ فرمایا: اگر پوچھنے پر وہ خاموش ہو جائے تو یہ بھی اجازت ہے۔ (بخاري، الصحيح، ۵: ۹۷۴، رقم: ۴۸۴)

فقہائے کرام فرماتے ہیں:

ينعقد نكاح الحرة العاقلة البالغة برضاها وان لم يعقد عليها ولي بكرا كانت أو ثيبا... ولا يجوز للولي اجبار البكر البالغة على النكاح. (مرغيناني، الهداية شرح البداية، ۱: ۱۹۶)

آزاد، عقل مند بالغ لڑکی کا نکاح اس کی رضامندی سے ہو جاتا ہے، خواہ اس کا ولی نہ کرے، کنواری ہو یا ثیبہ۔۔۔ولی کو اس بات کی اجازت نہیں کہ کنواری بالغ لڑکی کو نکاح پر مجبور کرے۔

مذکورہ بالا تصریحات سے معلوم ہوا کہ عاقل و بالغ لڑکا اور لڑکی بدستور اپنی پسند اور مرضی سے بعوض حق مہر اور دو مسلمان عاقل و بالغ گواہوں کی موجودگی میں جہاں چاہیں نکاح کر سکتے ہیں۔ لہٰذا لڑکا اور لڑکی اپنی مرضی سے عدالتی نکاح کریں تو شرعی طور پر نکاح جائز و درست ہو گا۔

دورِ حاضر میں مسلمانوں کی، اسلامی تعلیمات سے دوری جہاں معاشرے میں دیگر خرابیوں کا باعث بن رہی ہے ان میں ایک خرابی یہ بھی سر فہرست ہے کہ اکثر والدین بچوں کی پسند و ناپسند کو نظر انداز کر کے اپنی مرضی اور پسند کے رشتے طے کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر لڑکے لڑکیاں والدین کو بتائے بغیر اپنی پسند اور مرضی کے مطابق عدالتی نکاح کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ پھر دوسری طرف والدین اپنی مرضی کے خلاف کی گئی شادی کو قبول کرنے کو تیار ہی نہیں ہوتے حالانکہ جس جوڑے نے آپس میں مل جل کر رہنا ہے، اگر وہ رضامند ہوں تو ان کو زندگی گزارنے کا حق دینا چاہیے جبکہ قرآن و حدیث میں بھی پسند کی شادی کرنے کا حکم ہے۔ لیکن لاعلمی و جہالت کی وجہ سے معاشرے میں لڑکی اور لڑکے کی آپس میں پسند کی شادی کو عجیب سمجھا جاتا ہے اگر وہ بذریعہ عدالت نکاح کر لیں تو مزید نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

عدالت میں نکاح کرنا بنیادی طور پر کوئی بری بات نہیں ہے۔ اصل خرابی کی جڑ والدین کا لڑکے اور لڑکی کی پسند و ناپسند کو نظر انداز کرنا ہے۔ اکثر والدین مال و دولت اور جائیداد کے لالچ میں شرعی کفو کا خیال نہیں رکھتے اور بغیر سوچے سمجھے بچوں کی زندگی کا سودا کر دیتے ہیں۔ اُن کا یہ فیصلہ بعد میں ناخوشگوار زندگی کا باعث بنتا ہے۔ اگر کوئی جوڑا اپنی پسند اور رضامندی سے بذریعہ عدالت نکاح کر کے جائز و حلال تعلقات قائم کرتا ہے تو اُس کو اپنی مرضی سے زندگی گزارنے کا حق ملنا چاہیے۔ اگر یہ راستہ بھی بند کر دیا جائے تو اس کا مطلب ہے ہم اُن کو غلط کاری پر مجبور کرنے جا رہے ہیں۔ لہٰذا ہمیں اپنی سوچیں اسلامی تعلیمات کے مطابق ڈھالنے کی ضرورت ہے تاکہ شادی بیاہ کے معاملات میں بھی والدین اور بچے اپنی اپنی حدود میں رہ کر اچھا فیصلہ کر سکیں اور طے پانے والا رشتہ دنیا و آخرت میں راحت و سکون کا باعث بنے۔

عشقِ مصطفیٰ ﷺ کی ضرورت اور عملی تقاضے

ڈاکٹر حافظ محمد سعد اللہ

اللہ کریم کے آخری نبی معظم و رسول محتشم سید المرسلین خاتم النبیین رحمۃ للعالمین حضرت سیدنا محمد مصطفی احمد مجتبیٰ ﷺ کی دائمی و عالمی نبوت و رسالت پر جس طرح ایمان لانا فرض ہے اور جس کے بغیر کوئی آدمی شرعاً مومن کہلا سکتا ہے اور نہ دائرہ اسلام میں داخل ہو سکتا ہے، نیز جس طرح آپ ﷺ کی مطلق و غیر مشروط اطاعت و اتباع شرعاً لازم اور ہر لحاظ سے تعظیم و توقیر واجب ہے جو ایک مومن پر نبی رؤف رحیم ﷺ کا لازمی حق ہے، ٹھیک اسی طرح قرآن و حدیث کی رو سے رسول مقبول ﷺ کی ذات والا شان کے ساتھ والہانہ اور ہر چیز سے زیادہ محبت رکھنا بھی واجب ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی کے ساتھ جب تک اس درجہ کی محبت اور اس قسم کا قلبی تعلق اور عزت و ناموسِ رسالت ﷺ پر مر مٹنے کا حقیقی جذبہ و داعیہ پیدا نہ ہو تو آدمی نہ ایمان کی حلاوت پا سکتا ہے، نہ کامل ایمان کے درجہ پر فائز ہو سکتا ہے اور نہ ازروئے قرآن اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیا جا سکتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں محبتِ نبی ﷺ ایمان کی روح ہے اور اس کے بغیر جملہ اعمال اور مقامات و احوال بے جان ڈھانچہ ہیں۔ شاعر مشرق علامہ اقبال نے بالکل سچ کہا ہے کہ:

مغزِ قرآں روحِ ایماں جانِ دیں
ہست حبِ رحمۃ للعالمین

علاوہ ازیں تاریخ شاہد ہے کہ محبتِ رسول ﷺ کے قدرتی اور فطری نتیجے میں ایک محبِّ رسول ﷺ کے لیے ایمان کے سارے تقاضوں کو پورا کرنا اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام پر چلنا نہ صرف یہ کہ آسان ہو جاتا ہے بلکہ اس راہ میں جانِ عزیز تک دینے میں بھی وہ ایک لذت محسوس کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایمان کی معنوی حلاوت اور باطنی مٹھاس پانے کے لیے جن خصائل و صفات کو ایک مومن کے لیے ضروری قرار دیا ہے ان میں سرِ فہرست یہ بات رکھی ہے کہ:

أَنْ يَكُونَ اللهُ وَرَسُولُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا۔ (صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب حلاوۃ الایمان، ۱: ۱۴، رقم: ۱۶)

اللہ اور اس کا رسول ﷺ اس کے نزدیک باقی تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہوں۔

حلاوتِ ایمان کا معنی امام نوویؒ نے یہ لکھا ہے کہ آدمی کو طاعت (نیکیاں، عبادات) بجالانے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی کی خاطر تکالیف اٹھانے میں لذت محسوس ہو اور اس چیز کو دنیا کے مال و متاع پر ترجیح دے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لیے بندے کی محبت یہ ہے کہ اس کی اطاعت کرے اور اس کی مخالفت چھوڑ دے۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے ساتھ محبت کا بھی یہی معنی ہے کہ آپ ﷺ کی اطاعت کرے اور آپ ﷺ کی مخالفت ترک کر دے۔ (نووی، شرح صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان خصال من اتصف، ۱: ۴۹)

اس کے برعکس جس آدمی کے دل میں محبتِ رسول ﷺ کا کوئی جذبہ نہ ہوگا، اس کے لیے روزمرہ کے اسلامی فرائض کی ادائیگی اور عام ایمانی مطالبات کی تعمیل بھی سخت گراں اور بڑی کٹھن ہو جاتی ہے اور جتنا کچھ وہ کرتا بھی ہے تو اس کی حیثیت زیادہ سے زیادہ بس قانونی پابندی یا مجبوری کی سی ہوتی ہے جبکہ قرآن نبی اکرم ﷺ کے لیے اس اعزاز اور توقیر و اکرام کا طالب ہے جو قلب کی گہرائیوں کی پیداوار ہو۔ وہ آپ ﷺ سے جذباتی لگاؤ اور محبت پیدا کرنا چاہتا ہے۔ وہ آپ ﷺ کی صرف اس اطاعت پر راضی نہیں جو جذبات، محبت اور تعظیم سے خالی ہو جیسے کہ رعایا کا بادشاہ کے ساتھ اور دوسرے فوجی و سول لیڈروں کے ساتھ ایک رسمی یا مجبوری کا تعلق ہوتا ہے۔ قرآن صرف نماز، روزہ، زکوٰۃ اور دیگر فرائض کی ادائیگی ہی کافی نہیں سمجھتا بلکہ اس کا مطالبہ ہے:

لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ۔ (الفتح، ۴۸: ۹)

”تاکہ (اے لوگو!) تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور آپ (ﷺ کے دین) کی مدد کرو اور آپ ﷺ کی تعظیم بجالاؤ۔“

اس لیے اس نے ہر اس چیز کا حکم دیا جس میں آپ ﷺ کی عزت و حرمت کی حفاظت ہوتی ہو اور ہر اس چیز سے منع کر دیا جس سے حضور نبی اکرم ﷺ کی ادنیٰ بے ادبی یا بے ادبی کا شائبہ ہو اور جس سے (العیاذ باللہ) آپ ﷺ کی عزت مجروح، آپ ﷺ کی رفعتِ شان گھٹتی اور آپ ﷺ کا ”بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر“ والا بلند مرتبہ کم ہوتا ہو۔

حبِ رسول ﷺ کی عقلی ضرورت

محبتِ رسول ﷺ کی اس دینی، ایمانی، روحانی اور شرعی ضرورت و اہمیت اور حد درجہ افادیت و منفعت کے علاوہ اگر دنیا کے کسی بھی انسان کی آنکھوں پر فکری، مذہبی اور نسلی تعصب کی پٹی نہ بندھی ہو اور پیغمبر اسلام ﷺ کی ذات ستودہ صفات سے بغض، عناد اور مخالفت برائے مخالفت نے اس کے دل کے دریچے بند نہ کر دیے ہوں تو وہ یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہے کہ عدل و انصاف اور عقلِ سلیم کا لازمی تقاضا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی رحمتِ عالم ذات کے ساتھ ساری دنیا سے بڑھ کر اور ٹوٹ ٹوٹ کر محبت کی جائے۔ کیونکہ محبت و پیار کی دنیا میں حسی، ظاہری اور باطنی اعتبار سے محبت کے جتنے قدرتی و فطری عوامل، محرکات اور اسباب ہو سکتے ہیں، مثلاً: ظاہری حسن و جمال، باطنی، اخلاقی اور علمی و فنی کمال اور نوازشات و احسان وغیرہ تو یہ سب اسباب و محرکات نبی کریم ﷺ کی جامع الصفات اور ہر جہت و زاویے سے بے عیب و محمود ذات میں بدرجہ اتم پائے جاتے ہیں۔

چنانچہ امام نوویؒ شرح صحیح مسلم میں محبت کا معنی اور اس کے اسباب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

”محبت کی اصل محبّ (محبت کرنے والے) کا اس چیز کی طرف میلان ہے جو اس کے موافق ہو (دل کو اچھی لگے)۔ پھر یہ میلان کبھی تو اس وجہ سے ہوتا ہے کہ انسان اس چیز سے لذت حاصل کرتا اور اسے اچھا سمجھتا ہے جیسے شکل و شباہت کا حسن (خوبصورتی)، آواز کا حسن (سریلی آواز) اور کھانے وغیرہ کا حسن (لذیذ ہونا)۔ کبھی یہ قلبی میلان اس لیے ہوتا ہے کہ انسان کسی چیز میں پائے جانے والے باطنی معانی (خوبیوں) کی وجہ سے عقلی طور پر اس سے لذت حاصل کرتا ہے، جیسے صلحاء، علماء اور اہلِ فضل کی محبت (ان کے کمالِ علم و فضل اور تقویٰ کی وجہ سے) اور کبھی آدمی کا یہ میلان کسی چیز یا انسان کی طرف اس لیے ہوتا ہے کہ اس نے اس پر کوئی احسان کیا یا اس سے کسی مضرت و تکلیف کو دور کیا ہے۔ محبت کے یہ جملہ اسباب و معانی نبی اکرم ﷺ کی ذات میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ اس لیے کہ ظاہری

جمال اور باطنی کمالات اور ہر قسم کے فضائل آپ ﷺ کی ذات میں جمع کر دیئے گئے ہیں۔ تمام مسلمانوں پر آپ ﷺ کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ آپ ﷺ نے انہیں صراطِ مستقیم پر چلایا، جنت کی ابدی نعمتوں کا مستحق ٹھہرایا اور جہنم کی آگ سے دور کیا۔ (نووی، شرح صحیح مسلم، باب وجوب محبۃ الرسول۔۔۔، ۱: ۴۹)

مومنین کا آپ ﷺ کی ذات کے ساتھ تعلق کا تقاضا

حضور نبی کریم ﷺ کی سراپا رافت و شفقت ذات کا اہلِ ایمان کے ساتھ جو منفرد، بے مثال، مخلصانہ، خیر خواہانہ، ہمدردانہ، بے غرض، بے لوث اور قریبی تعلق ہے، اس کا بھی فطری تقاضا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی محسن ذات سے ساری کائنات بلکہ اپنی ذات سے بھی زیادہ محبت کی جائے۔ مومنین کے ساتھ اس تعلق کی وضاحت قرآن مجید نے یوں فرمائی ہے:

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ۔ (الاحزاب، ۳۳: ۶)

"یہ نبی (مکرّم ﷺ) مومنوں کے ساتھ اُن کی جانوں سے زیادہ قریب اور حقدار ہیں۔"

اس گہرے اور مخلصانہ تعلق کی مزید وضاحت خود نبی کریم ﷺ نے یوں فرمائی ہے:

"میری اور میری امت کی حالت اس شخص کی سی ہے جس نے آگ جلائی ہو پھر مختلف پتنگے اس میں گرنے کے لیے دوڑے چلے آرہے ہوں۔ ٹھیک اسی طرح میں تمھیں تمھاری کمروں سے پکڑ پکڑ کر بچانے کی کوشش کر رہا ہوں اور تم ہو کہ اس (ہلاکت اور کفر کی آگ) میں گرے جا رہے ہو۔" (کنز العمال، ۱: ۱۰۲، رقم: ۸۹۶)

حقیقت یہ ہے کہ جو تعلقِ خاطر، پیار و محبت، شفقت، خیر خواہی، ہمدردی اور غم خواری حضور نبی اکرم ﷺ کو تمام انسانیت اور اپنی امت سے رہی ہے اور جو اس وقت بھی جاری و ساری ہے، اس کی نظیر انسانی تاریخ میں نہیں ملتی۔

حبِّ رسول ﷺ کی شرعی حیثیت

حبِ رسول ﷺ کی درج بالا دینی، دنیوی، عقلی ضرورت اور مومنین کے ساتھ نبی کریم ﷺ کے مذکورہ دائمی انمٹ اور دنیا و آخرت میں بے مثال اور مخلصانہ تعلق کی بنا پر ہی آپ ﷺ کے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت فرما جانے کے بعد بعض مسلمانوں سے چند موہوم اندیشوں کی وجہ سے

جب ہجرت کر جانے کے حکم کی تعمیل میں کچھ کمزوری، کوتاہی، تاخیر اور سستی کا ارتکاب ہوا تو اللہ نے تنبیہ فرمائی:

''(اے حبیب ﷺ!) آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمھارے باپ اور تمھارے بیٹے (اولادیں) اور تمھارے بھائی اور تمھاری بیویاں اور تمھارے کنبہ اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس کے بگڑ جانے سے تم ڈر رہے ہو اور وہ گھر جنہیں تم پسند کرتے ہو (یہ سب) تم کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ عزیز ہیں تو منتظر رہو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم بھیج دے اور اللہ نافرمان لوگوں (فاسقوں) کو ہدایت نہیں دیتا۔'' (التوبہ: ۲۴)

اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے مفسر قرطبیؒ نے لکھا ہے:

وفی الاية دليل على وجوب حب الله و رسوله ولا خلاف فی ذالك بين الامة۔ (قرطبی، جامع الاحکام القرآن، ۸: ۹۵)

''آیت میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ محبت کے واجب ہونے کی دلیل ہے اور اس مسئلے میں امت کے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔''

حبِّ رسول ﷺ کے شرعی اعتبار سے اس وجوب اور ہر چیز پر مقدم ہونے کی صراحت خادم رسول ﷺ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں خود نبی کریم ﷺ نے قسم کے ذریعے موکد کرنے کے بعد یوں ارشاد فرمایا:

لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ۔ (صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب حب الرسول من الایمان، ۱: ۲۴، رقم: ۱۴)

''تم میں سے کوئی بھی آدمی اس وقت تک کامل ایمان والا نہیں ہو سکتا جب تک کہ میری ذات اس کے نزدیک اپنے والد، اپنی اولاد اور تمام دوسرے لوگوں سے زیادہ محبوب نہیں بن جاتی۔''

یہ حدیث بتلاتی ہے کہ اگر باپ کے لیے کبھی ایسا موقع آئے کہ محض رسول اللہ ﷺ پر ایمان اور آپ ﷺ کے ساتھ ایمانی تعلق کی پاداش میں اسے اپنی اولاد چھوڑنی پڑ جائے یا اولاد کے لیے ایسا موقع ہو کہ انہیں اپنے والدین ترک کرنا پڑیں تو ایمان کا تقاضا ہے کہ یہ قربانی و ایثار کر گزرے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی درج بالا روایت کے لیے امام مسلم نے باب کا جو طویل عنوان قائم کیا اور اس سے جو حکم مستنبط کیا ہے، وہ قابلِ غور اور امام موصوف کی فقاہت و باریک بینی پر گواہ ہے۔ باب کا عنوان ہے:

بَاب وُجُوبِ مَحَبَّةِ رَسُولِ اللهِ ﷺ أَكْثَرَ مِنَ الْأَهْلِ وَالْوَلَدِ وَالْوَالِدِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ وَإِطْلَاقِ عَدَمِ الْإِيمَانِ عَلَى مَنْ لَمْ يُحِبَّهُ هَذِهِ الْمَحَبَّةَ۔ (صحیح مسلم، ۱: ۱۵۴)

’’رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اپنے اہل خانہ، اولاد، ماں باپ اور تمام لوگوں سے زیادہ محبت رکھنے کا واجب ہونا اور اس آدمی پر مومن نہ ہونے کا طلاق جو آپ ﷺ سے اس درجہ کی محبت نہیں رکھتا۔‘‘

جس ماحول میں اب ہم رہ رہے ہیں، یہ ماشاء اللہ اسلامی ماحول ہے۔ اولاد بھی مسلمان اور باپ بھی مسلمان۔ اس لیے اس طرف ذہن کم ہی جاتا ہے کہ خدا اور رسول ﷺ کی محبت کا والدین یا اولاد کی محبت سے کوئی تقابل ہو سکتا ہے لیکن ابتدائے اسلام میں جب یہ ماحول نہیں تھا اور اسلام دنیا کو کفر کی تاریکی سے نورِ ہدایت کی طرف آنے کی دعوت دے رہا تھا۔ اس وقت خدا اور رسول ﷺ کی محبت؛ والد و اولاد کی عداوت کے ہم معنی بنی ہوئی تھی۔ جو خدا سے محبت کرتا، اسے اپنے مال و اولاد کو چھوڑنا پڑتا اور جو اپنے مال و اولاد کا ساتھ دیتا، اسے خدا اور رسول ﷺ سے بغاوت کرنا ہوتی۔

ایک دوسری روایت میں اپنی جان حضور ﷺ سے زیادہ محبوب رکھنے کو بھی ایمان کے منافی قرار دیا گیا۔ حضرت عبد اللہ بن ہشام کہتے ہیں کہ

كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ وَهُوَ آخِذٌ بِيَدِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَقَالَ لَهُ عُمَرُ يَا رَسُولَ اللهِ لَأَنْتَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ إِلَّا مِنْ نَفْسِي فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَا وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْكَ مِنْ نَفْسِكَ فَقَالَ لَهُ عُمَرُ فَإِنَّهُ الْآنَ وَاللهِ لَأَنْتَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ نَفْسِي فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ الْآنَ يَا عُمَرُ۔ (صحیح بخاری، کتاب الایمان والنذور، باب قول النبیؐ وایم اللہ، ۲: ۲۹۹، رقم: ۶۱۴۲)

ہم حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ تھے۔ آپ ﷺ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے۔ اس دوران حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (اپنی قلبی کیفیت بیان کرتے ہوئے) کہا: یارسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ مجھے اپنی جان کے سوا ہر چیز سے زیادہ عزیز ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا! اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، جب تک میں تمھارے نزدیک تمھاری اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب نہ قرار پاؤں، تم مومن نہیں ہو سکتے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اب آپ ﷺ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہو گئے ہیں۔ فرمایا: اے عمر! تو اب تم پکے مومن ہو گئے۔‘‘

یہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی صداقت تھی کہ انھوں نے اپنی اندرونی کمزوری یا باطنی بیماری دربارِ رسالت میں صاف صاف بیان کر دی۔ دوسری طرف نگاہِ نبوت اور فیضِ نبوت کا کمال تھا کہ ایک سیکنڈ میں آپ ﷺ نے ایمان کے تمام ارتقائی مدارج انہیں طے کرا دیے۔ وہ سینہ جو ابھی ابھی اپنی جان کو عزیز سمجھ رہا تھا، دوسری ساعت آنے نہیں پائی کہ رسول اکرم ﷺ کی ذات کو اپنی جان سے زیادہ

عزیز سمجھنے لگتا ہے۔ کہنے کو تو یہ دو فقرے ہیں مگر آپ ﷺ کے فیضِ صحبت کی یہ برقی تاثیر عقلِ انسانی کے لیے موجبِ حیرت ہے۔ اب سوچو کہ جہاں سیکنڈوں کی صحبت کے آثار یہ ہوں وہاں ہفتوں، مہینوں اور کئی کئی سالوں کے اثرات کیا ہوں گے۔ قیاس کن زگلستان من بہار مرا

حبِّ رسول ﷺ سے متعلق ان احادیث کی شرح میں محدثین نے اگرچہ یہ بات لکھی ہے کہ یہاں طبعی، جبلی اور فطری محبت مراد نہیں جو انسان کے اختیار میں نہیں ہوتی بلکہ ایمانی، عقلی اور اختیاری محبتِ رسول ﷺ مراد ہے لیکن کمال ایمان کا تقاضا ہے کہ اس محبت میں اس قدر ترقی ہونی چاہیے کہ یہ محبت طبعی محبت پر غالب آجائے اور اتباعِ سنت میں وہ لذت محسوس ہو جو ہر تکلیف کو راحت اور ہر تلخی کو شیریں بنادے۔ یہی محبت کا اعلیٰ اور مطلوب مقام ہے۔

اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ اللہ و رسول ﷺ کے ساتھ اہلِ ایمان کو جو محبت ہوتی ہے، وہ ماں باپ اور بیوی بچوں کی محبت کی طرح خونی رشتوں یا دوسرے طبعی و غیر اختیاری اسباب کی وجہ سے نہیں ہوتی بلکہ وہ روحانی، ایمانی اور عقلی وجوہ سے ہوتی ہے مگر جب عقلی محبت کامل ہو جاتی ہے تو اس کے سوا دوسری تمام محبتیں جو طبعی، خود غرضانہ، مفاد پرستانہ یا نفسیاتی اسباب کی وجہ سے ہوتی ہیں، مغلوب ہو جاتی ہیں۔ اس بات کو ہر وہ شخص سمجھ سکتا ہے جس کو اللہ نے اس کا کوئی حصہ نصیب فرمایا ہو۔

یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی پر من جانب اللہ سلسلۂ نبوت و رسالت ختم کر دینے کی ایک حکمت علماء نے یہ بھی بتائی ہے کہ حضور ﷺ کے ساتھ مومنین کے قلبی تعلق و محبت میں کسی قسم کی کمی اور کمزوری واقع نہ ہو۔

حبِّ رسول ﷺ کے عملی تقاضے

محبت ایک قلبی میلان، دلی جذبہ، اندرونی تڑپ اور باطنی کیفیت کا نام ہے جس میں کمی بیشی بھی ممکن ہے مگر کسی کی پیشانی پر نہیں لکھا ہوتا کہ یہ آدمی فلاں شخص یا فلاں چیز سے محبت رکھتا ہے اور کس قدر رکھتا ہے۔ تاہم حقیقی محبت کا ظہور کسی نہ کسی طرح ہو کر رہتا ہے۔ جذبۂ محبت کا فطری، لازمی اور قدرتی تقاضا ہے کہ محبت کرنے والے کی ذات سے بعض ایسے اعمال، افعال اور حرکات کا لامحالہ ظہور ہو جو محبوب سے محبت اور تعلقِ خاطر پر دلیل ہوتی ہیں۔ ورنہ یہ دعوائے محبت چوری کھانے والے مجنوں کی طرح محض زبانی اور حلق سے اوپر اوپر اور جھوٹا ہو گا۔

جہاں تک آپ ﷺ کی محبوب ذات کے ساتھ ایک مسلمان کی محبت کا تعلق ہے تو کلمہ طیبہ اور ایمان بالرسول ﷺ کی برکت سے اگرچہ کسی بھی کلمہ گو کا دل محبتِ رسول ﷺ سے

بالکل خالی نہیں ہوتا، تاہم بعض خوش نصیبوں کو اس کا وافر حصہ ملا ہوتا ہے اور درج بالا محبت کے فطری تقاضے کے مطابق ان سے بعض اعمال کا ظہور یا ارتکاب ہونا ضروری ہے۔ اسی چیز کو محبت کے عملی تقاضے یا محبت کی علامات سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ محبت رسول ﷺ کے کچھ تقاضے تو حضور ﷺ کی ظاہری زندگی کے ساتھ خاص تھے جن پر عمل اب ممکن نہیں مگر کچھ ایسے تقاضے ہیں جن کا تعلق قیامت تک کے لیے ہر محبِّ رسول ﷺ سے ہے۔ اس قسم کے چند اہم تقاضے درج ذیل ہیں:

(۱) خواہشاتِ نفس کا شریعتِ محمدیہ ﷺ کے تابع ہو جانا

محبتِ رسول ﷺ کا اولین تقاضا ہے کہ حضور ﷺ پر ایمان لانے کے بعد شریعتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے سامنے ذاتی پسند و ناپسند اور اپنی مرضی ختم ہو جائے۔ اسے متابعتِ شریعت میں وہ لطف و لذت محسوس ہونے لگے جو طبعی مرغوبات میں ہوتی ہے۔ سخت سردیوں میں فجر کی نماز کے لیے اٹھنا اور کڑاکے کی گرمی میں رمضان کے روزے رکھنے کی ایسی خواہش ہو جیسے سردی میں گرم کپڑے پہننے اور گرمی میں ٹھنڈک حاصل کرنے کی ہوتی ہے۔ یہ کیفیت اس وقت تک پیدا نہیں ہوتی جب تک کہ نفس اپنی سرشت چھوڑ کر حضور ﷺ کی شریعت کے تابع نہ ہو جائے۔ آپ ﷺ نے اس امر کی صراحت یوں فرمائی:

لَا یُؤْمِنُ أَحَدُکُمْ حَتّٰی یَکُونَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهٖ۔

”تم میں سے کوئی آدمی اس وقت تک کامل مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی نفسانی خواہشات اس شریعت کے تابع نہ ہو جائیں، جس کو میں لایا ہوں۔“ (فتح الباری، لابن حجر، ۲: ۳۶۴)

اس حدیث کی شرح میں علامہ قاضی عبد الدائم دائم لکھتے ہیں کہ ”کیا ہم نے آقا علیہ السلام کے ہر حکم پر سرِ تسلیم خم کر رکھا ہے؟ کیا ہم نے اپنی ہر خواہش کو نظامِ مصطفی ﷺ کے تابع کر دیا ہے؟ کیا ہماری صورت اور سیرت اسلامی ڈھانچے میں ڈھل گئی ہے؟ کیا ہماری گفتار و کردار پر مصطفوی رنگ چڑھ چکا ہے؟ اگر نہیں اور بالیقین نہیں تو مجھے کہنے دیجئے کہ رنگ برنگی جھنڈیاں لگانے، نوبہ نو محرابیں بنانے، بلند و بالا عمارتیں سجانے، ہزاروں شمعیں اور قمقمے جلانے، صبح دم بلند آہنگ بارودی گولے چلانے، جلسوں اور جلوسوں میں شب و روز نعتیں سنانے، پوری طاقت سے توحید اور رسالت کے نعرے لگانے اور کئی کئی گز کے علم لہرانے کے باوجود لایومن احدکم کی ہولناک تنبیہ تلوار کی طرح ہر دم سر پر لٹکی ہوئی ہے۔ اب گری کہ تب گری۔ اللھم ارحم۔

(۲) حضور ﷺ کی پسند اور ناپسند کا خیال رکھنا

محبتِ رسول ﷺ کا لازمی تقاضا ہے کہ حضور ﷺ کی مرغوب اور پسندیدہ چیز آدمی کے نزدیک مرغوب اور پسندیدہ اور آپ ﷺ کی ناپسند، ناپسند قرار پائے۔ جیسے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا ہمیشہ اس لیے سبتی جوتے پہننا کہ حضور ﷺ کو انہوں نے اس قسم کے جوتے پہنتے دیکھا تھا۔۔ کدو کے سالن کا زندگی بھر کے لیے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی مرغوب غذا ٹھہرنا کہ ایک دعوت میں انھوں نے حضور ﷺ کو شوق سے کدو کھاتے دیکھا تھا۔ اسی طرح محبتِ رسول ﷺ کا مطالبہ ہے کہ جن چیزوں کو نبی اکرم ﷺ نے پسند نہیں فرمایا، محبتِ رسول ﷺ کا دعویدار بھی ہمیشہ اسے نفرت کی نگاہ سے دیکھے اور کبھی اس کے نزدیک نہ پھٹکے۔

عام محبت بھی جب کامل ہو جاتی اور رسوخ پیدا کر لیتی ہے تو نفسیات و طبیعت بلکہ شکل و شباہت پر بھی اس کا اثر پڑنے لگتا ہے۔ جس محبت کا نام ایمان ہے اس میں چونکہ عقیدت بھی شامل ہوتی ہے اس لیے اس کی تاثیر بھی کچھ اور ہے۔ علامہ بدرالدین عینیؒ نے لکھا ہے:

”ہمارے اصحاب نے بیان کیا ہے کہ اگر کوئی شخص کہے کہ آنحضرت ﷺ کدو پسند فرماتے تھے اور اس کے مقابلے میں دوسرا شخص بول اٹھے کہ مجھے تو کدو پسند نہیں تو اس بے محل انکار پر اس کے کفر کا اندیشہ ہے۔“ (عمدۃ القاری، شرح بخاری، ۵: ۴۴۶)

(۳) حضور نبی اکرم ﷺ کے محبوب سے محبت اور دشمن سے دشمنی رکھنا

اس سلسلے میں اصل یہ ہے کہ محبت اور عداوت دونوں متعدی صفات ہیں۔ جب محبت پیدا ہوتی ہے تو اپنے اطراف میں بھی پھیلتی ہے۔ یہی حال عداوت کا ہے حتی کہ ایک شخصیت کی وجہ سے تمام جہاں نظروں میں محبوب یا دشمن بن جاتا ہے۔ اس اصول کی روشنی میں ان تمام لوگوں سے محبت رکھنا ضروری ہے جن سے آپ ﷺ محبت فرمایا کرتے تھے۔ مثلاً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، مہاجرین و انصارؓ اور اہلِ بیت رسول ﷺ۔ اسی طرح جو لوگ آپ ﷺ کے دشمن تھے یا ہیں، ان سے عداوت رکھنا بھی محبتِ رسول ﷺ کا لازمی تقاضا ہے چاہے وہ قریبی عزیز ہی کیوں نہ ہوں۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کے بیٹے اور مخلص صحابی حضرت عبداللہ نے بارگاہِ نبوی ﷺ میں عرض کیا تھا کہ اگر حکم ہو تو باپ کا سر لا کر حاضر خدمت کر دوں۔ علاوہ ازیں متعدد مثالیں ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور ﷺ کی محبت میں ان تمام اعزہ و اقارب اور دوست احباب سے قطع تعلق کر لی تھی جو آپ ﷺ سے عقیدت و محبت نہیں رکھتے تھے۔

(۴) فقیرانہ زندگی کو ترجیح دینا

دس لاکھ مربع میل کی حکمرانی اور زمین کے سارے خزانوں کی چابیاں عطا کیے جانے اور سونے کے پہاڑوں کی پیشکش کے باوجود حضور ﷺ کے گھروں میں دو دو ماہ آگ نہ جلنے اور دم وصال تک زہد و فقر اور درویشی اختیار کیے رکھنے کو دیکھتے ہوئے محبتِ رسول ﷺ کا تقاضا ہے کہ آدمی عیش و عشرت کی زندگی کی بجائے فقیرانہ زندگی کو ترجیح دے۔ اس چیز کی تائید حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ:

''ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بولا کہ مجھے آپ ﷺ سے محبت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ غور کر، کیا دعویٰ کرتا ہے؟ اس نے پھر قسم کھا کر تین مرتبہ کہا: میں آپ ﷺ سے محبت رکھتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تو سچ بولتا ہے تو پھر فقر کو اپنی چادر یا فقر کے لیے اپنے واسطے آہنی جھول تیار کر لے کیونکہ فقر مجھ سے محبت رکھنے والے کی طرف اس سیلاب سے زیادہ تیز دوڑ کر آئے گا جو پہاڑی سے نیچے کی طرف آتا ہے۔'' (قاضی عیاض، الشفاء، ۲: ۲۸)

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص رسول مقبول ﷺ سے دعویٰ محبت رکھتا ہے اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ آپ ﷺ کی ہمرنگ زندگی اختیار کرے۔ اب اسے تجوریاں بھر کر اور مال جمع کر کے نہیں رکھنا ہوگا۔ ذرائع آمدن میں حلال و حرام کو مد نظر رکھنا ہوگا۔ لمبی چوڑی کوٹھیاں نہیں بنانا ہوں گی بلکہ محبت رسول ﷺ کے دعویٰ کا تقاضا ہے کہ اپنا پیٹ کاٹ کر بھوکوں کو کھانا کھلا دے اور خود بھوکا رہ جائے۔ پانی دوسروں کو پلا دے اور خود پیاسا رہ جائے۔ اپنی سواری دوسرے ضرورت مند پیادوں کو دے دے اور خود پیدل چلے۔ غرض اپنا مال و اسباب اور سارا اندوختہ حضور ﷺ کی طرح دوسروں میں تقسیم کر کے انہیں غنی بنا ڈالے اور خود زاہد و فقیر اور درویش بن جائے۔

حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ خدا کے رسول ﷺ سے محبت رکھنے والے فقیر ہی ہوتے ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ دوسروں کی ہمدردی میں وہ اپنی زندگی فقیرانہ بنا لیتے ہیں۔ دنیا میں ہر غمزدہ کا غم ان کے لیے موجبِ غم ہوتا ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ دوسرے بھوکے ہوں اور یہ شکم سیر، دوسرے پیاسے ہوں اور یہ سیراب، دوسرے ننگے پھریں اور یہ لباسِ فاخرہ پہنیں۔

(۵) ہر سنت رسول ﷺ سے محبت رکھنا

محبتِ رسول ﷺ کا لازمی تقاضا ہے کہ آں جناب ﷺ کی ہر سنت، ہر طریقہ، ہر طرزِ عمل بلکہ ہر سوچ سے محبت ہو جائے۔ خادم رسول ﷺ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

”اے پیارے بیٹے اگر تم سے یہ ہو سکے کہ تم صبح اور شام اس حال میں کرو کہ دل میں کسی ایک آدمی کے لیے بھی کھوٹ (غش) نہ رہے تو کر گزرو۔ کیونکہ یہ چیز (ہر قسم کی کدورت سے سینہ پاک رکھنا) میری سنت ہے اور جس نے میری سنت سے محبت کی تو گویا اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے میرے ساتھ محبت کی وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔“

(مشکوٰۃ المصابیح، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

حدیث کا مطلب واضح ہے کہ صرف عبادات، نماز، روزہ، مسواک، عمامہ، ٹخنے ننگے رکھنا اور کھانے کی پلیٹ صاف کرنا جیسی آسان سنتوں پر زور دینا ہی محبتِ رسول ﷺ کے لیے کافی نہیں بلکہ آپ ﷺ کے تمام اوصاف و اطوار کو اختیار کرنا بھی ضروری ہے۔ محبتِ رسول ﷺ کا بلند معیار یہ ہے کہ عبادات کے سوا محبوب مکرم ﷺ کی عادات، نفسیات اور طبائع بھی نظروں میں قابل اتباع بن جائیں بلکہ وہ غیر اختیاری جذبات جو اپنے مخالف کے لیے قلب میں موجزن ہوتے ہیں، اس لیے

قلب میں جمنے نہ پائیں کہ یہ آنحضرت ﷺ کی سیرت و سنت کے خلاف ہیں اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب آپ ﷺ کی محبت رگ رگ میں سرایت کر چکی ہو۔

(۶) رضامندی رسول ﷺ کا خیال رکھنا

حکمِ رسول ﷺ کو بجالانا تو شرعاً واجب ہے ہی مگر کمالِ محبت کا تقاضا ہے کہ حضور ﷺ کی رضا مندی اور خواہش کو بھی مد نظر رکھا جائے۔ اپنے بلند قبہ (مکان) کے متعلق حضور ﷺ کی ناپسندیدگی کا علم ہونے پر انصاری صحابی کا شوق اور بھاری خرچ سے تعمیر کیا گیا مکان زمین بوس کر دینا۔۔۔ صرف حضور ﷺ کی مرضی اور خواہش پاکر حضرت حارثہ بن نعمان کا جگر گوشہ رسول ﷺ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے مکان پیش کر دینا۔۔۔ حضور ﷺ کی ناپسندیدگی کے باعث چادر کو آگ میں ڈال دینا۔۔۔ حضور ﷺ کی طرف سے سونے کی انگوٹھی ناپسند کیے جانے پر اسے پھینک دینا اور پھر نہ اٹھانا۔۔۔ حضور ﷺ کے زمانے میں مسجد نبوی ﷺ کے دروازے کو خواتین کے لیے مخصوص کیے جانے کی خواہش نبوی ﷺ پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا زندگی بھر اس دروازے سے مسجد میں داخل نہ ہونا۔۔۔ یہ تمام رضامندی رسول ﷺ حاصل کرنے کی عمدہ مثالیں ہیں۔

دین و دنیا کے تمام معاملات میں حضور ﷺ کی مرضی اور پسند کو مد نظر رکھنا ہو تو یہ چیز آج بھی قرآن، سنتِ، سیرت اور فقہ کی کتابوں سے معلوم کی جاسکتی ہے۔

(۷) دینِ محمدی ﷺ کی نصرت کرنا

حضور نبی اکرم ﷺ جس دین، شریعت اور نظام کو لائے اور جس کی خاطر آپ ﷺ نے مکہ مکرمہ کی گلیوں، طائف کے بازاروں اور اُحد کے میدان میں پتھر کھائے اور جس کی آبیاری آپ ﷺ نے اپنے مبارک و پاکیزہ خون سے کی اور جس کی ترویج و اشاعت اور فروغ کے لیے آپ ﷺ آخری دم تک مساعی فرماتے رہے، اس دینِ محمدی ﷺ کی مقدور بھر اور دل و جان سے نصرت و تائید، ہر محاذ پر اس کا دفاع اور دامے، درمے، سخنے، قدمے تعاون بھی محبتِ رسول ﷺ کا لازمی تقاضا ہے۔ صرف تعاون ہی نہیں بلکہ مومن کی زندگی کا مقصد ہی دین کی سرفرازی و سربلندی بن جائے۔

میری زندگی کا مقصد تیرے دیں کی سرفرازی
میں اسی لیے مسلماں میں اسی لیے نمازی

(جاری ہے)

رسول اللہ ﷺ کے لقب ''اُمی'' کے حقائق و معارف

ڈاکٹر مسعود احمد مجاہد

معلمِ انسانیت، ہادی و رہبرِ کائنات حضرت محمد ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے انسانیت کے لیے ہدایت و رہنمائی کا سرچشمہ بنا کر بھیجا۔ آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ رہتی دنیا تک کامل نمونۂ حیات ہے۔ آپ ﷺ کی تعلیمات وہ شمعِ فروزاں ہے جس کے نور سے آج بھی بھٹکے ہوئے انسان ہدایت و روشنی پا رہے ہیں۔ آپ ﷺ ہی کی تعلیمات کی بدولت وہ معاشرہ جو نسلی، لسانی، طبقاتی اور جغرافیائی زنجیروں میں جکڑا ہوا اور جمود کا شکار تھا، انسانیت کی بلند ترین اقدار کا حامل ٹھہرا۔ ضلالت و گمراہی میں ڈوبے ہوئے لوگ جو احساس و شعور اور مقصدِ زندگی سے ناآشنا تھے، فیضانِ محمدی ﷺ سے سیراب ہو کر پوری دنیا کے لیے مثال بن گئے۔

حضور نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کے اہم گوشوں میں سے ایک گوشہ یہ بھی ہے کہ اللہ رب العزت نے آپ ﷺ کو شانِ امیت کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ ''اُمی'' لفظ کے بے شمار معانی ہیں جن میں سے ایک معنی یہ ہے کہ ایسی شخصیت جو کسی سے پڑھی نہ ہو اور ساری دنیا کے علوم اسے آتے ہوں، یہی معنی حضور نبی اکرم ﷺ کے لیے ہے، اسی وجہ سے آپ ﷺ کو ''اُمی'' کہا جاتا ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ نے نہ کبھی کسی سے تعلیم حاصل کی اور نہ ہی کسی کے آگے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ آپ ﷺ کی پوری زندگی کسی فردِ بشر کی شاگردی سے مبرا ہے اس لیے حضور ﷺ کا ''اُمی'' ہونا آپ کی نبوت کی صداقت کی بہت بڑی دلیل ہے۔ آپ ﷺ نے صرف حق تعالیٰ سے علم حاصل کیا اور صرف اسی

سے کسبِ فیض کیا۔ اللہ رب العزت نے ہی حضور ﷺ کو دنیا و آخرت کی ہر چیز کا علم براہِ راست اپنی بارگاہ سے عطا فرمایا۔

اُمّی کا لغوی و اصطلاحی معنی و مفہوم

''اُمی'' حضور نبی اکرم ﷺ کا ایک لقب ہے جو قرآن مجید میں دو بار وارد ہوا ہے اس لقب کی اصل کے سلسلے میں علما نے کئی توجیہات پیش کی ہیں۔ ابن منظور افریقی لکھتے ہیں کہ:

''اُمی اسے کہتے ہیں جو لکھنا نہ جانتا ہو، زجاج کہتے ہیں اُمی اسے کہتے ہیں کہ جو اپنی خلقت کے اعتبار سے ہی اصل/جڑ ہو اور جو لکھنا نہ جانتا ہو۔ التنزیل العزیز میں ہے کہ اُمی انہیں کہتے ہیں کہ جو لکھنا نہیں جانتے۔'' (لسان العرب، ج ۱، ص ۳۴)

علامہ طوسی لفظ ''اُمی'' کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اُمی کو اس امت کی طرف منسوب کیا جاتا ہے جو اصل پر قائم ہو، جس نے لکھنا اور پڑھنا نہ سیکھا ہو۔ اس کے علاوہ اسے ماں کی طرف منسوب کیا جاتا ہے کہ جس طرح کوئی ماں کی تربیت میں رہتا ہے اور وہ آدمی صرف وہی کچھ جانتا ہے جو اس کی ماں اسے سکھاتی ہے۔'' (ابو جعفر محمد الطوسی، تہذیب الاحکام ج ۱، ص ۹۵)

گویا اُمی کا لفظ اُمّ سے نکلا ہے اور امّ عربی زبان و ادب میں دو معنوں میں مستعمل ہے: ۱۔ اصل اور جڑ ۲۔ ماں

ذیل میں اس کی وضاحت درج کی جاتی ہے:

(۱) اُم بمعنی اصل

اگر لفظ اُم اصل کے معنوں میں مستعمل ہو تو اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ وہ ذات جو اپنی اصل پر قائم ہو۔ اصل اور جڑ وہ فطرت ہے جس پر رب کائنات انسان کو تخلیق کرتا ہے۔ ارشاد باری ہے:

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا۔ (الروم، ۳۰: ۳۰)

'' اللہ کی (بنائی ہوئی) فطرت (اسلام) ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا فرمایا ہے (اسے اختیار کر لو)۔''

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَا مِنْ مَوْلُوْدٍ إِلَّا يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْ يُنَصِّرَانِهِ أَوْ يُمَجِّسَانِهِ۔ (بخاری الصحیح، ۵: ۱۴۳، رقم: ۱۲۷)

گویا ہر بچہ خواہ وہ کسی یہودی کے ہاں پیدا ہو یا نصرانی کے ہاں، کسی مسلمان گھرانے میں اس کی ولادت ہو یا کسی ہندو کے گھرانے میں آنکھ کھولے، ابتداء سے اللہ کی توحید اور معرفت اس کے من میں موجود ہو گی۔ جب وہ آنکھ کھولتا ہے تو سب سے پہلے اپنے گھر کے ماحول سے اثر قبول کرتا ہے۔ اگر اس کے والدین ہندو ہوں گے تو وہ بھی ہندو بنے گا، اگر یہودی ہوں گے تو بچہ بھی یہودی بنے گا اور اگر مسلمان ہوں گے تو بچہ بھی مسلمان ہو گا۔

بچے کی مذہب سے وابستگی عموماً اسے والدین کی طرف سے منتقل ہوتی ہے یا وہ ماحول کے اثر کو قبول کرتا ہے۔ آپ ﷺ کے والد گرامی آپ ﷺ کی ولادت سے قبل جبکہ آپ ﷺ کی والدہ محترمہ نے اس وقت انتقال فرمایا جب آپ ﷺ کی عمر مبارک صرف چھ سال تھی۔ علاوہ ازیں آپ ﷺ نے جس ماحول میں آنکھ کھولی، وہاں ہر طرف کفر و شرک اور ظلم و بربریت کے ڈیرے تھے۔ اس سلسلے میں آپ ﷺ کے بچپن سے لے کر لڑکپن تک کا مطالعہ کریں تو اس خوشگوار حیرت کا انکشاف ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے قریش کے مذہبی افکار و نظریات سے کوئی اثر قبول نہ کیا۔ اپنے زمانے کی سماجی قدریں اور خارجی ماحول جو صنم تراشی اور صنم پرستی سے عبارت تھا، اس سے آپ ﷺ قطعاً متاثر نہ ہوئے اور ایک بچے کی جو اصل فطرت ہوتی ہے وہ حضور ﷺ کی ذاتِ اقدس میں کسی شکست و ریخت کا شکار ہوئے بغیر محفوظ رہی۔

آپ ﷺ نے اپنی حیاتِ مقدسہ کے ابتدائی چالیس سال ایک ایسے ماحول میں گزارے جہاں سورج، چاند اور ستاروں کی پرستش ہوتی تھی، حرمِ کعبہ میں تین سو ساٹھ بت نصب تھے جنہیں لوگ اپنی حاجت روائی اور مشکل کشائی کے لیے پکارتے تھے۔ اخلاقی اقدار کا جنازہ نکل چکا تھا، زمین پر آباد انسانی معاشرے حیوانی معاشروں کے بہت قریب پہنچ چکے تھے۔ کوئی قانون اور ضابطہ نہ تھا۔ بات بات پر تلواریں نیام سے باہر آجاتیں۔ قتل و غارت گری کا بازار گرم رہتا۔ قبائلی عصبیت انتقام در انتقام میں ڈھل کر اوراقِ زندگی پر انسانی لہو کی ارزانی کی علامت بن جاتی۔ جھوٹ، دغا، منافقت، دجل اور فریب نے زمین پر محیط طویل شبِ زندگی کے اندھیروں کو کچھ اور بھی گہرا کر دیا تھا۔ شرک اور کفر کے اس گھٹاٹوپ اندھیرے میں حضور ﷺ کا بچپن اور لڑکپن گزرا۔ کردار کی مضبوطی کا یہ عالم تھا کہ یقین کی شمع آپ ﷺ کے قول و عمل میں ہمیشہ فروزاں رہی اور آپ ﷺ کا دامنِ عصمت بداخلاقی کے چھینٹوں سے کبھی داغدار نہ ہو سکا۔

گویا حضور ﷺ اپنی فطرت پر اسی طرح پاک اور صاف رہے جس فطرت پر رب کائنات نے آپ ﷺ کی تخلیق مکمل کی تھی۔ استحصال اور ظلم پر مبنی اس بے روح معاشرے میں زندگی کی چالیس

بہاریں دیکھ چکنے کے بعد بھی حضور ﷺ کی امیت اور اصلیت اپنی فطرت پر قائم رہی۔ آپ ﷺ نے اعلان بعثت کے وقت کردار کی اسی خوشبو اور شخصیت کی اسی روشنی کو نبوت کی دلیل کے طور پر پیش کیا۔

(۲) اُم بمعنی ماں

لفظ اُم اگر بمعنی ماں مستعمل ہو تو اس لحاظ سے اُمی کا مفہوم یہ ہوگا کہ وہ ہستی جو اپنی ساری زندگی گزار کر بھی اسی حالت میں ہو جس حالت میں ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئی تھی۔ کیونکہ جب کوئی بچہ پیدا ہو تو یہ دو بنیادی خوبیوں کا حامل ہوتا ہے ایک یہ کہ وہ برائی، گناہ اور آلائش سے پاک ہوتا ہے اور دوسرا یہ کہ وہ تمام اکتسابی علوم سے بھی منزہ ہوتا ہے۔ اس لیے کہ اکتساب کا تعلق پیدائشِ انسانی کے بعد شروع ہوتا ہے اور جب انسان سیکھنے کے عمل کا آغاز کرتا ہے تو اچھائی اور برائی دونوں کا اس کی سیرت کا جزو بننے کا امکان ہوتا ہے۔

قرآن حکیم میں رب کائنات نے اپنے محبوب ﷺ کو اس لیے اُمی قرار دیا ہے کہ آپ ﷺ اپنی زندگی کا بیشتر حصہ گزار کر بھی اسی طرح معصوم تھے جیسے اپنی پیدائش کے وقت۔ ماحول کی گندگی کا ہلکا سا دھبہ بھی آپ ﷺ کے دامنِ روز و شب کو داغدار نہ کر سکا۔ آپ ﷺ کی اسی ظاہری و باطنی طہارت اور پاکیزگی کی بنا پر قرآن مجید نے آپ ﷺ کو ''النبی الامی'' کے لقب سے یاد کیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ۔ (الاعراف، ۷: ۱۵۷)

'' (یہ وہ لوگ ہیں) جو اس رسول (ﷺ) کی پیروی کرتے ہیں جو امی (لقب) نبی ہیں (یعنی دنیا میں کسی شخص سے پڑھے بغیر منجانب اللہ لوگوں کو اخبارِ غیب اور معاش و معاد کے علوم و معارف بتاتے ہیں)۔''

دوسرے مقام پر ارشاد خداوندی ہے:

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ۔ (الاعراف، ۷: ۱۵۸)

'' سو تم اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) پر ایمان لاؤ جو شانِ اُمیّت کا حامل نبی ہے۔''

آیات مذکورہ سے واضح ہے کہ حضور ﷺ اُمی نبی ہیں۔ اس لیے کہ انھوں نے سوائے اپنے رب کے کسی سے کچھ پڑھا اور نہ کچھ سیکھا۔ حضور ﷺ کا علم عطائی ہے، اکتسابی نہیں اور یہ علم حضور ﷺ کو عطا کرنے والا ان کا پروردگار ہے جو کل جہانوں کا پالنے والا اور ہر مخلوق کا خالق ہے اور جس کی قدرتِ مطلقہ کائنات کے ذرے ذرے پر محیط ہے۔

اُمیّین میں بعثت

حضور نبی اکرم ﷺ کو اُمی کہنے کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ آپ ﷺ کی بعثت ایک ایسے

معاشرے میں ہوئی جہاں لوگ پڑھنا لکھنا نہیں جانتے تھے۔ عرب میں یہود و نصاریٰ اہل کتاب کہلاتے تھے اور وہ لوگ جو کسی آسمانی کتاب رکھنے کے مدعی نہ تھے، اُمیین کہلاتے تھے۔ یہ اصطلاح اس لیے تھی کہ اہلِ کتاب ان لوگوں کو اپنے سے الگ کر کے مخاطب کرتے تھے جیسا کہ سورۃ آل عمران میں ارشاد ہوا:

وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ۔

"اور آپ اہلِ کتاب اور ان پڑھ لوگوں سے فرما دیں: کیا تم بھی اللہ کے حضور جھکتے ہو (یعنی اسلام قبول کرتے ہو)۔" (آل عمران، ۳:۲۰)

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی رشد و ہدایت کے لیے قوانینِ الٰہی کا جو نظام قائم کیا، وہ انبیائے کرام علیہم السلام کی وساطت سے ان کو ملتا رہا اور اس سلسلہ کی آخری کڑی نبی اکرم ﷺ کی ذات بابرکات تھی۔ آپ ﷺ کو ان لوگوں کے درمیان مبعوث فرمایا گیا جو اُمیین کہلاتے تھے یعنی جاہل یا ان پڑھ نہیں بلکہ جن کے پاس اس سے پہلے کوئی آسمانی کتاب نہیں تھی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ایک ایسا نظام متشکل فرمایا جس کے ذریعہ ان لوگوں کی صلاحیتوں کی برومندی اور ان کی ذات کی نشوونما ہو سکے۔ اس حقیقت کو سورۃ الجمعہ کی دوسری آیت میں اس طرح واضح فرمایا گیا کہ:

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۔ (الجمعۃ، ۶۲: ۲)

"وہی ہے جس نے ان پڑھ لوگوں میں انہی میں سے ایک (با عظمت) رسول (ﷺ) کو بھیجا وہ اُن پر اُس کی آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں۔ اور اُن (کے ظاہر و باطن) کو پاک کرتے ہیں اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے ہیں بے شک وہ لوگ اِن (کے تشریف لانے) سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔"

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اُمیین سے مراد ناخواندہ یا ان پڑھوں کی جماعت نہیں بلکہ عرب باشندوں کی وہ جماعت ہے جو اہلِ کتاب کے مقابلے میں اس وقت حاملِ کتاب نہیں تھی اور نبی کریم ﷺ کا تعلق انہی اُمیین سے تھا۔

آپ ﷺ کو اُمی کہنے کی حکمتیں

حضور نبی اکرم ﷺ کی شانِ اُمیت بھی آپ ﷺ کا معجزہ قرار پاتی ہے۔ اللہ رب العزت نے جب آپ ﷺ کو اُمی کہا تو یقیناً اس میں ہزارہا حکمتیں پوشیدہ ہوں گی کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ہر

حکمت اور ہر دانش کا سرچشمہ ہے، اس لیے حضور ﷺ کو اُمی کہنا بھی خالی از حکمت نہیں ہو سکتا۔ ذیل میں چند حکمتیں ذکر کی جاتی ہیں:

(۱) پہلی حکمت

تاجدار کائنات ﷺ کسی کتاب کو پڑھنا جانتے تھے اور نہ آپ ﷺ نے اپنے دستِ اقدس سے لکھنا سیکھا تھا۔ اس وصف سے باری تعالیٰ نے آپ ﷺ کی ذات اقدس کو کیوں مزین کیا اس کا جواب قرآن یوں دیتا ہے:

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ۔ (العنکبوت، ۲۹: ۴۸)

”اور (اے حبیب ﷺ!) اس سے پہلے آپ ﷺ کوئی کتاب نہیں پڑھا کرتے تھے اور نہ ہی آپ ﷺ اسے اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے ورنہ اہلِ باطل اسی وقت ضرور شک میں پڑ جاتے۔“

علامہ شہاب الدین محمود آلوسی فرماتے ہیں:

”اس میں ایک حکمتِ الٰہیہ یہ بھی تھی کہ استاد کی فضیلت آپ ﷺ پر ثابت نہ ہو، نیز یہ کہ کلام اللہ کو مخالف لوگ آپ ﷺ کے اکتسابی علوم و فنون کا نتیجہ نہ سمجھ لیں۔ چنانچہ اُمی ہونا آپ ﷺ کے حق میں صفتِ مدح ہے جو دوسروں کے حق میں نہیں۔“ (روح المعانی، ج۹، ص۷۰)

گویا معلم اعظم حضور رحمت عالم ﷺ کو اُمی قرار دینے کی پہلی حکمت یہ تھی کہ اگر آپ ﷺ نے کسی استاد سے کچھ پڑھا ہوتا، کسی مکتب میں باقاعدہ تعلیم حاصل کی ہوتی، لکھنا سیکھا ہوتا اور اس کے بعد آپ ﷺ منصبِ رسالت پر جلوہ افروز ہونے کا اعلان فرماتے اور احکام الٰہی بیان کرتے تو شک کرنے والے حاسدین اور معاندین یہ تہمت عائد کرتے کہ یہ احکام منجانب اللہ نہیں، یہ وحی الٰہی نہیں بلکہ حضور ﷺ یہ بات فلاں کتاب سے پڑھ کر یا فلاں استاد سے سیکھ کر بیان کر رہے ہیں۔ یوں انہیں شانِ نبوت میں تنقیص کا موقع مل جاتا اور وہ تحریک اسلامی اور اس کے عظیم قائد کے خلاف اپنا پروپیگنڈہ تیز کر دیتے۔ یہ نکتہ تحریکِ اسلامی کی قیادت کی کردار کشی کی مہم میں خوب اچھالا جاتا اور نبوت کی صداقت اور حقانیت پر مسلمانوں کے اعتماد کو متزلزل کرنے کی کوشش کی جاتی۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ رب العزت نے منصبِ نبوت کو اس اتہام سے بچانے کے لیے اور تمام کسبی علوم سے اکتساب کے امکان کو رد کرتے ہوئے حضور ﷺ کی چالیس سالہ حیاتِ مقدسہ کا ایک ایک لمحہ ان کے سامنے رکھا۔

(۲) دوسری حکمت

اکتسابی اور وہبی علم میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ اکتسابی علم کو دہرانے سے الفاظ ادھر ادھر ہو جاتے

ہیں حتی کہ بعض اوقات مفہوم میں بھی تھوڑا بہت فرق آجاتا ہے لیکن وہبی علم میں ایسا ممکن نہیں ہوتا۔ بار بار دہرانے سے بھی ایک لفظ اِدھر اُدھر نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ آیاتِ قرآنی میں کسی لفظی تبدیلی کا امکان ہی نہیں۔ پوری دنیا کے حفاظ جن کی زبانیں مختلف، ثقافتیں الگ، رہن سہن کے طریقے جدا جدا، لیکن جب وہ قرآن پڑھتے ہیں تو اس میں زیر زبر کا بھی فرق نہیں ہوتا۔ آقائے دو جہاں ﷺ پر قرآن بذریعہ وحی نازل ہوا۔ حضور ﷺ نے اپنی حیات مبارکہ میں سالہا سال سیکڑوں بار ان آیات کو دہرایا لیکن ایک لفظ تو کجا ایک حرف بھی کبھی تبدیل نہ ہوا۔ حضور ﷺ نے کبھی ان آیاتِ مقدسہ کو حفاظ کی طرح ازبر نہیں کیا بلکہ ہر آیت اپنی صحتِ لفظی کے ساتھ خود بخود زبانِ اقدس پر جاری ہو جاتی۔

حضور ﷺ کے اس دائمی معجزے کا فیض قیامت تک جاری رہے گا، اس لیے کہ اللہ رب العزت نے آپ ﷺ کو النبی الامی کی شان کے ساتھ مبعوث کر کے آپ ﷺ کے سینہ اقدس کو اکتسابی علم کی ہر آلائش سے پاک کر دیا تھا۔

(۳) تیسری حکمت

حضور نبی اکرم ﷺ کو اُمی قرار دینے کی تیسری حکمت اور اس میں کارفرما فلسفہ یہ تھا کہ وہبی علم کے مقابلے میں دنیوی علم ظنی ہوتا ہے۔ اس میں گمان اور غلطی کا امکان موجود ہوتا ہے۔ اللہ رب العزت نے اپنے محبوب کو دنیوی علوم اور کتابوں سے اس لیے بے نیاز کر دیا کہ غلطی، گمان اور نقص کا احتمال تک باقی نہ رہے۔ حضور ﷺ کے سینہ اقدس کو ظنی نہیں بلکہ یقینی علم کا گنجینہ بنا دیا گیا۔ یقین کامل ایمان کی بنیاد ہے اور یقین کامل عموماً اکتسابی عمل کی نہیں بلکہ وہبی علم کی عطا ہے اور اس میں نقص یا غلطی کا امکان نہیں ہوتا۔ چونکہ حضور ﷺ کا علم وہبی تھا، اس لیے آپ ﷺ نے خلقِ خدا میں ایمان کے ساتھ یقینِ کامل کی دولت بھی تقسیم کی۔ قرآن مجید اس حقیقت کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کرتا ہے:

مَا كُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِیْمَانُ۔ (الشوریٰ، ۴۲: ۵۲)

”اور آپ ﷺ (وحی سے قبل اپنی ذاتی درایت و فکر سے) نہ یہ جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور نہ ایمان (کے شرعی احکام کی تفصیلات کو ہی جانتے تھے جو بعد میں نازل اور مقرر ہوئیں)۔“

رسول اُمی ﷺ کے علم کا منبع و سرچشمہ وحی الٰہی تھا، دنیوی یا اکتسابی علم نہ تھا۔ وحی الٰہی میں جہاں غلطی، گمان یا نقص کا سرے سے کوئی امکان ہی نہیں ہوتا، وہاں اس کے ذریعہ حاصل ہونے والا علم یقینی، حتمی اور قطعی بھی ہوتا ہے۔ غبارِ تشکیک اس علم کو اپنی لپیٹ میں لے سکتا ہے اور نہ ذہنِ انسانی اس میں اختراع کرنے کا مجاز ہوتا ہے۔ اکتسابی علوم و فنون کو حرفِ آخر ہونے کی سند عطا کی جاسکتی ہے

کیونکہ ان میں اصلاح و ترمیم اور اضافہ کی گنجائش ہر لمحہ موجود رہتی ہے جبکہ اس کے برعکس وہبی علم ان اسقام سے پاک ہوتا ہے۔ اس لیے انبیاء و مرسلین علیہم السلام کے علاوہ کوئی فلاسفر یا دانشور یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس کی نگارشات میں کسی غلطی کا امکان موجود نہیں۔ صرف انبیاء و رسل علیہم السلام ایسی ہستیاں ہیں جن کی زبانِ ترجمانِ حقیقت سے جو صادر ہوتا ہے، اس میں قیامت تک اصلاح و ترمیم اور اضافہ ممکن نہیں۔ وہ حرفِ آخر ہوتا ہے اور قیامت تک اس میں کسی قسم کا کوئی ردوبدل نہیں کیا جا سکتا۔ حضور ﷺ کو اُمی کہا گیا تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ حضور ﷺ کو پڑھانے والا خود اس کائنات کا رب ہے جو ہر قسم کے نقائص اور عیوب سے مبرا ہے، اس لیے حضور ﷺ کے ارشادات بھی ظنی علوم کے نقائص سے پاک اور مبرا ہیں۔

(۴) چوتھی حکمت

عربی گرائمر کی رو سے لفظ نبی؛ نباء سے مشتق ہے۔ نباء کا معنی غیب کی خبریں جاننا یا غیب کی خبریں دینا ہے۔ اس اعتبار سے نبی اس شخص کو کہتے ہیں جو غیب کی خبریں نہ صرف جانتا ہو بلکہ لوگوں کو ان سے آگاہ بھی کرتا ہو۔ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ۔ (آل عمران، ۳: ۴۴)

”(اے محبوب ﷺ!) یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ ﷺ کی طرف وحی فرماتے ہیں۔“

جب نبی کی تعریف ہی یہ ہوتی ہے کہ وہ نہ صرف خود غیب کی خبریں رکھتا ہے بلکہ ان خبروں سے دوسروں کو بھی مطلع کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ نبی کا سارا علم غیبی ہوتا ہے۔ اگر حضور ﷺ اُمی نہ ہوتے تو کوئی شخص آپ ﷺ کا استاد بھی ہوتا لیکن یہ صورت حال اللہ رب العزت کو گوارہ نہ ہوئی کہ ہو تو ہمارا محبوب لیکن اس کا معلم کوئی عام شخص ہو۔ یہ چیز شانِ نبوت کے بھی منافی ہوتی۔ چنانچہ باری تعالیٰ نے اکتسابی علم کے سارے دروازے بند کر دیئے کہ محبوب ہم اپنی وحی کے ذریعے آپ کو پڑھاتے بھی ہیں اور سکھاتے بھی ہیں اور پھر آپ سارے انسانوں اور سارے زمانوں کے معلم قرار پائیں گے۔ آپ شہر علم ہوں گے اور ساری دنیا آپ کے در سے حصولِ علم کی خیرات کی تمنائی ہو گی۔ پس اس لیے حضور ﷺ کو اُمی بنایا گیا تاکہ کوئی شخص حضور ﷺ کا معلم ہونے کا دعویٰ نہ کر سکے۔

اُمی ہونا حضور نبی اکرم ﷺ کا ایک عظیم معجزہ

حضور نبی اکرم ﷺ نے بھرپور مجلسی، ثقافتی، عائلی اور سماجی زندگی بسر کی۔ بکریوں کو چرانے

سے لے کر تجارت کے لیے شام تک کا سفر اختیار کیا۔ کفار و مشرکین کے ساتھ معاہدات کیے، غزوات میں شرکت کی، ثالث بن کر لوگوں کے جھگڑے ختم کرائے، تبلیغ دین کا فریضہ سرانجام دیا لیکن دنیاوی علم کے حصول کی کبھی دل میں خواہش پیدا نہ ہوئی۔ کسی کے در پر حصولِ علم کے لیے دستک دینا بھی حضور نبی اکرم ﷺ کی شانِ اقدس کے منافی ہوتا۔ اکتسابی علوم کے حصول کی آپ ﷺ نے کبھی ضرورت ہی محسوس نہ کی۔ اس کا سبب فقط یہ تھا کہ انہیں بتا دیا گیا تھا کہ اے محبوب ﷺ علم کے سارے خزانے آپ کے قدموں کی خیرات ہیں۔ چنانچہ وقت آنے پر یہ سارے خزانے آپ ﷺ پر کھلتے گئے اور سارے علومِ غیب آپ ﷺ پر منکشف ہوتے چلے گئے۔ علامہ خازن اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

”حضور ﷺ کا اُمی ہونا کوئی اتفاقی بات نہ تھی بلکہ اُمی ہونا آپ ﷺ کا ایک عظیم معجزہ ہے کہ دنیا میں آپ ﷺ نے کسی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ نہیں کیا پھر ایسی کتاب بھی لائے جس میں اولین و آخرین کے علوم و غیوب ہیں۔“ (تفسیر خازن، ۲: ۱۳۸)

النبی الاُمی کے وسعتِ علم کا معجزہ

ہر چیز پر قادر رب نے اپنے محبوب ﷺ کو تمام علوم کی کنجیاں عطا فرمائیں۔ اس کائنات کی کوئی چیز بھی حضور ﷺ کے دائرہ علم سے باہر نہیں۔ معراج کی شب تمام حجابات اٹھا دیئے گئے حتی کہ آپ ﷺ دیدارِ الٰہی کے شرفِ عظیم سے بھی مشرف ہوئے اور کوئی چیز آپ ﷺ کی نظروں سے اوجھل نہ رہی۔ دکھانے اور سکھانے والے نے علمِ حضور ﷺ کی کوئی حد مقرر نہ کی۔ اس حقیقت کو قرآن ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا۔

”اور اس نے آپ کو وہ سب علم عطا کر دیا ہے جو آپ ﷺ نہیں جانتے تھے، اور آپ (ﷺ) پر اللہ کا بہت بڑا فضل ہے۔“ (النساء، ۴: ۱۱۳)

آپ ﷺ کا علم عطائی ہے، ذاتی نہیں اور یہ علم عطا کرنے والا اس کائنات کا خالق ہے۔ اس کائناتِ رنگ و بو میں سوائے حضور ﷺ کے کوئی شخص ایسا نہیں جو یہ کہہ سکے کہ لوگو! جو کچھ تم نہیں جانتے، مجھے وہ بھی عطا کر دیا گیا ہے۔ کوئی شخص بیک وقت سارے علوم پر دسترس نہیں رکھ سکتا لیکن تمام علوم حضور ﷺ کے نقشِ کفِ پا کا تصدق ہیں۔ اللہ رب العزت مذکورہ آیاتِ مقدسہ میں حضور رحمت عالم ﷺ کو اپنی بارگاہ سے تمام علوم عطا کیے جانے کو اپنا بہت بڑا فضل قرار دے رہا ہے۔ اس آیت کریمہ کی رو سے تمام عوالم اور کائنات کی ہر چیز آپ ﷺ کے احاطہ علم میں ہے۔

حضور ﷺ کے علم کا انکار اللہ رب العزت کے علم کے انکار کے مترادف ہے۔ کفار و مشرکین نے آپ ﷺ کے علم پر طعن کیا کہ آپ ﷺ ہمارے دل کی کیفیت کو نہیں جانتے تو حضور ﷺ منبر پر تشریف لائے اور فرمایا:

سلونی عما شئتم۔ (صحیح البخاری، کتاب العلم، ۱: ۱۶۲، رقم: ۹۰)

''جس چیز کے متعلق مجھ سے پوچھنا چاہو، پوچھ لو۔''

اپنے اس ارشادِ گرامی سے قیامت تک حضور ﷺ کے علم غیب پر اعتراض کرنے والوں کو حضور نبی اکرم ﷺ نے خود ہی جواب دے دیا۔ ایک اور مقام پر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''ان لوگوں کی تباہی کا کیا عالم ہوگا جو میرے علم کی وسعت پر طعن زنی کرتے ہیں (آؤ) تم اس وقت سے لے کر قیامت تک جو بات چاہو، مجھ سے پوچھ لو۔''

(تفسیر بغوی، ۲: ۳۸۱، ۳۸۲)

اس اعتماد کے ساتھ وہی ذات دعویٰ کر سکتی ہے جسے اس کے رب نے قیامت تک کے حالات سے آگاہ کر دیا ہو۔

حاصلِ کلام

بچہ جب رحمِ مادر سے دنیا میں آتا ہے تو وہ اَن پڑھ اور ناخواندہ ہوتا ہے، اسی نسبت سے عرب میں اُمی اس شخص کو کہتے ہیں کہ جو لکھنا پڑھنا نہ جانتا ہو۔ اگرچہ یہ لفظ کسی شخص کے لیے صفتِ مدح نہیں ہے بلکہ ایک عیب سمجھا جاتا ہے، مگر رسول اللہ ﷺ کے علوم و معارف اور خصوصیات و حالات و کمالات کے ساتھ اُمی ہونا آپ ﷺ کے لیے بڑی صفت کمال بن گئی ہے۔ ایک ایسے شخص کا جس نے کسی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ نہ کیا ہو، اس کا علوم و معارف کا دریا بہا دینا اور اس سے ایسے بیش بہا علوم اور بے نظیر حقائق و معارف کا صدور ایک ایسا کھلا معجزہ ہے جس سے کوئی معاند و مخالف بھی انکار نہیں کر سکتا۔ خصوصاً جبکہ آپ ﷺ کی عمر مبارک کے چالیس سال مکہ میں سب کے سامنے اس طرح گزرے ہوں کہ کسی سے ایک حرف پڑھا اور نہ سیکھا اور پھر ٹھیک چالیس سال پورے ہونے پر آپ ﷺ کی زبان مبارک پر وہ کلام جاری ہوا جس کی ایک چھوٹی سی آیت کی مثال لانے سے پوری دنیا عاجز ہو گئی تو ان حالات میں آپ ﷺ کا اُمی ہونا آپ ﷺ کے رسول من جانب اللہ ہونے اور قرآن کے کلامِ الٰہی ہونے پر ایک بڑی شہادت ہے۔ پس اس لیے اُمی ہونا اگرچہ دوسروں کے لیے کوئی صفتِ مدح نہیں مگر رسول اللہ ﷺ کے لیے عظیم صفتِ مدح و کمال ہے۔

شانِ رفعتِ مصطفیٰ ﷺ

ڈاکٹر نعیم انور نعمانی

اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ مبارکہ کو وہ بلندی اور رفعت عطا کی ہے کہ ایسی بلندی اور رفعت کسی اور کو نہیں دی گئی۔ ذیل میں آپ ﷺ کو نبوت و رسالت کے باب میں حاصل رفعت و بلندی کے چند مظاہر ذکر کیے جاتے ہیں:

۱۔ رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ اقدس کو نبوت کے باب میں رفعت اس طرح عطا کی گئی ہے کہ آپ ﷺ کو تمام انبیاء علیہم السلام سے ممتاز اور منفرد مقام عطا فرمایا۔ ارشاد فرمایا:

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ۔ (البقرہ، ۲: ۲۵۳)

”یہ سب رسول (جو ہم نے مبعوث فرمائے) ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے، ان میں سے کسی سے اللہ نے (براہِ راست) کلام فرمایا اور کسی کو درجات میں (سب پر) فوقیّت دی (یعنی حضور نبی اکرم ﷺ کو جملہ درجات میں سب پر بلندی عطا فرمائی)۔“

اللہ تعالیٰ نے نفسِ نبوت میں سب انبیاء علیہم السلام کو برابر رکھا ہے مگر نبوت کے مراتب اور درجات میں ایک کو دوسرے پر درجہ اور فضیلت عطا کی ہے۔ ان سب انبیاء علیہم السلام میں سے درجاتِ نبوت میں سب سے افضل درجہ اور سب سے اعلیٰ مرتبہ رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ اقدس کو عطا کیا ہے۔ آپ ﷺ کو نبوت میں درجہ خاتم النبیین پر فائز کیا گیا ہے اور آپ ﷺ کو منصبِ رسالت میں سید المرسلین بنایا ہے۔

۲۔ نبوت و رسالت کے باب میں رفعت کی دوسری صورت باری تعالیٰ نے آپ ﷺ کو یہ عطا کی ہے کہ آپ ﷺ کو سارے جہانوں، زمانوں اور قیامت تک کے لیے رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔ آپ ﷺ کی بعثت کو بعثتِ عمومی اور بعثتِ کلی کی حیثیت دی گئی ہے۔ ارشاد فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا۔

''اور (اے حبیبِ مکرّم ﷺ!) ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر اس طرح کہ (آپ) پوری انسانیت کے لیے خوشخبری سنانے والے اور ڈر سنانے والے ہیں۔'' (سباء، ۳۴: ۲۸)

آپ ﷺ کی رسالت کافة للناس کی حامل ہوئی ہے جبکہ آپ ﷺ سے پہلے انبیاء علیہم السلام میں سے کوئی کسی ایک گاؤں، ایک قریے، ایک خطے، ایک شہر اور ایک ملک کے لیے آیا جبکہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کسی علاقہ و نسل کی تفریق کے بغیر تمام انسانوں کے لیے ہوئی۔

۳۔ نبوت و رسالت کے باب میں رسول اللہ ﷺ کی رفعت کی تیسری صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ اقدس کو تمام انبیاء علیہم السلام کی امم پر گواہ اور شاہد بنا کر لائے گا۔ ارشاد فرمایا:

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ م بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا۔ (النساء، ۴: ۴۱)

'' پھر اس دن کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے اور (اے حبیب ﷺ!) ہم آپ کو ان سب پر گواہ لائیں گے۔''

یہ آیت کریمہ واضح کرتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا دائرہ درجۂ شہادت میں بھی تمام امم اور ملل پر حاوی ہے۔ رسول ﷺ کی شہادت ارسالِ پیغامِ نبوت میں اصل الاصول ہے۔ رسول اللہ ﷺ تمام انبیاء علیہم السلام کے بھی رسول ہیں اور تمام امم کے بھی رسول ہیں۔ نبوت و رسالت کی یہ شان وہ ہے جو کسی اور نبی کو عطا نہیں کی گئی۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء و رسل علیہم السلام عالمِ ارواح میں آپ ﷺ کی نبوت و رسالت پر ایمان لا چکے اور اس بات کا صراحتاً اقرار کر چکے ہیں کہ اگر ان کے زمانۂ نبوت میں سید المرسلین کی بعثت ہو گی تو اُن کا اپنا عمل یہ ہو گا:

لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ۔ (آل عمران، ۳: ۸۱)

'' تو ضرور بالضرور ان پر ایمان لاؤ گے اور ضرور بالضرور ان کی مدد کرو گے۔''

یعنی وہ سب کے سب آپ ﷺ کی نبوت و رسالت پر ایمان لائیں گے۔ جب ہر امت کا رسول و نبی آپ ﷺ پر ایمان لے آئے گا تو وہ ساری امم و ملل بھی اپنے نبی کی پیروی میں رسول اللہ ﷺ پر ایمان لے آئیں گی۔

۴۔ نبوت و رسالت کے باب میں رسول اللہ ﷺ کی شانِ رفعت اپنے نقطۂ کمال کو اس وقت پہنچتی ہے، جب ہمیں آپ ﷺ کی نبوت کے آغاز کا پتہ چلتا ہے۔ حضرت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

قالوا یا رسول اللہ متی وجبت لك النبوۃ۔ قال وآدم بین الروح والجسد۔ (الترمذی، السنن، ۱۲: ۵۵، رقم: ۳۵۴۲)

''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا: یارسول اللہ ﷺ! آپ کو منصبِ نبوت پر کب سرفراز کیا گیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس وقت جب آدم علیہ السلام ابھی روح اور جسد کے درمیان تھے۔''

معلوم ہوا کہ ہر دور نبوت و رسالتِ محمدی ﷺ کا ہے۔ تمام انبیاء علیہم السلام کو نبوت و رسالت آپ ﷺ کے تصدق سے ملی ہے اور آپ ﷺ پر ایمان لانے اور آپ ﷺ کے دین کی سرفرازی اور سربلندی کے لیے کاوشیں کرنے کی شرط پر میسر آئی ہے۔ (ذکر مصطفی، کائنات کی بلند ترین حقیقت، شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری، منہاج پبلی کیشنز لاہور، ص ۱۸)

۵۔ اسی طرح قرآن حکیم میں انبیاء علیہم السلام کا ذکر اللہ تعالیٰ نے ان کے ذاتی ناموں سے کیا ہے جبکہ قرآن مجید میں رسول اللہ ﷺ کے ذکر کو آپ ﷺ کے ذاتی نام سے نہیں بلکہ آپ ﷺ کے صفاتی نام اور مختلف اوصاف و کمالات کے ساتھ بیان کیا ہے۔ یعنی قرآن کبھی آپ کو یایھا النبی اور کبھی یایھا المدثر، یا ایھا المزمل، یٰس، طٰہٰ کے پیار بھرے القابات سے یاد کرتا ہے۔

۶۔ باری تعالیٰ نے شانِ رفعتِ رسول قرآن مجید میں اس طرح بھی بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ کو ید اللہ (اللہ کا ہاتھ) قرار دیا ہے۔ ارشاد فرمایا:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ۔ (الفتح، ۴۸: ۱۰)

''(اے حبیب ﷺ!) بے شک جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں، ان کے ہاتھوں پر (آپ کے ہاتھ کی صورت میں) اللہ کا ہاتھ ہے۔''

اسی طرح باری تعالیٰ نے رمیِ رسول کو رمیِ الٰہی قرار دیا۔ ارشاد فرمایا:

وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰی۔ (الانفال، ۸: ۱۷)

''اور (اے حبیبِ محتشم ﷺ!) جب آپ نے (ان پر سنگ ریزے) مارے تھے (وہ) آپ نے نہیں مارے تھے بلکہ (وہ تو) اللہ نے مارے تھے۔''

باری تعالیٰ نے اطاعتِ رسول کو اطاعتِ الٰہی گردانا ہے۔ ارشاد فرمایا:

مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ۔ (النساء، ۴: ۸۰)

”جس نے رسول (ﷺ) کا حکم مانا بے شک اس نے اللہ (ہی) کا حکم مانا۔“

پس قرآن مجید متعدد پہلوؤں میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے درمیان مختلف اعتبارات سے نسبتِ وحدت کی بات شانِ رفعت کے باب میں بیان کرتا ہے۔ نسبتِ وحدت کا سب سے بلند اور ارفع مقام؛ مقامِ رضا ہے۔ اس میں رفعتِ مصطفی ﷺ کو نسبتِ وحدت کے ساتھ قرآن نے یوں بیان کیا ہے۔ ارشاد فرمایا:

وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ۔ (التوبۃ، ۹: ۶۲)

”اللہ اور اس کا رسول (ﷺ) زیادہ حقدار ہے کہ وہ اسے راضی کریں۔“

اس آیہ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی اور آپ ﷺ کی رضا کو ”ہ“ ضمیر واحد کے ساتھ بیان کیا ہے کہ جو رسول اللہ ﷺ کی رضا ہے، وہی اللہ کی رضا ہے اور جو اللہ کی رضا ہے، وہی رسول اللہ ﷺ کی رضا ہے۔ اس کل کائنات میں رفعتِ رسول کی اس سے بلند تر کوئی اور صورت ممکن نہیں ہے۔ اسی لیے ملا علی قاری فرماتے ہیں:

ولا مقام فوق هذا فی المرتبة۔ (شرح الشفاء، ۲: ۲۴)

”مقام و مرتبے میں شانِ رضا سے بڑھ کر کوئی مقام و مرتبہ نہیں ہے۔“

رفعتِ ذکرِ مصطفی ﷺ

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ۔ (الانشراح، ۹۴: ۴)

”ہم نے آپ کا ذکر آپ کی خاطر بلند کر دیا ہے۔“

اس آیت کا ایک ایک کلمہ نعت و صفتِ رسول ﷺ میں بے مثال اور باکمال ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نہ صرف آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس بلکہ آپ ﷺ کے ذکرِ مبارک کو بھی اوج و کمال عطا فرمایا ہے۔ ذکر کی بلندی مذکور کی عظمت کو واضح کرتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے ذکر کو باری تعالیٰ نے کہاں اور کیسے بلند و ارفع کیا؟ اس کی ایک صورت حضرت ابن عطایہ بیان فرماتے ہیں کہ باری تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس کو ہی اپنا ذکر بنا دیا۔

جعلتك ذكرا من ذكری فمن ذكرك ذكرنی۔

(شرح الشفاء، ۱: ۴۶)

”میں نے آپ ﷺ کے ذکر کو اپنا ذکر بنا دیا۔ پس جس نے آپ ﷺ کا ذکر کیا، اس نے

میرا ذکر کیا۔‘‘

آپ ﷺ کو یاد کرنا، اللہ کو یاد کرنا ہے، جیسے آپ ﷺ کی اطاعت کرنا، اللہ کی اطاعت ہے۔ آپ ﷺ سے محبت کرنا، اللہ سے محبت کرنا ہے، آپ ﷺ کی رضا چاہنا، اللہ کی رضا چاہنا ہے۔ آپ ﷺ کی مخالفت اللہ کی معصیت ہے۔ ملا علی قاری نے بھی رفعتِ ذکر رسول ﷺ میں اسی حقیقت کو بیان کیا ہے کہ

ان یقال المراد برفع ذکرہ انہ جعل ذکرہ کما جعل طاعتہ طاعتہ۔ (شرح الشفاء، ۱۶: ۲۴)

’’رفعتِ ذکر سے مراد یہ ہے کہ باری تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے ذکر کو اپنا ذکر بنا دیا ہے جس طرح آپ ﷺ کی اطاعت کو اپنی اطاعت بنایا ہے۔‘‘

اس کی عملی صورت کا اظہار باری تعالیٰ نے اس طرح فرمایا کہ ہر جگہ اپنے نام کے ساتھ اپنے رسول ﷺ کے نام کو جوڑ دیا ہے۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

وَضَمَّ الْإِلٰهُ اسْمَ النَّبِيِّ مَعَ اسْمِهِ
إِذَا قَالَ فِي الْخَمْسِ الْمُؤَذِّنُ أَشْهَدُ
وَشَقَّ لَهُ مِنْ اسْمِهِ لِيُجِلَّهُ
فَذُو الْعَرْشِ مَحْمُودٌ وَهٰذَا مُحَمَّدٌ

(الجوہرۃ النیرۃ، باب الاذان، ۱: ۱۷۶)

’’باری تعالیٰ نے اپنے نام کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے نام کو ہر جگہ ملا دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک مؤذن پانچ مرتبہ ہر روز آذان میں شہادتِ توحید اور شہادتِ رسالت کے کلمات بلند کرتا ہے اور اسی طرح باری تعالیٰ نے اپنے نام سے رسول اللہ ﷺ کے نام کو بنایا ہے۔ وہ رب عرش پر محمود ہے اور رسول اللہ ﷺ زمین پر محمد ﷺ ہیں۔‘‘

رفعتِ ذکرِ رسول ﷺ کے باب میں باری تعالیٰ نے کلمۂ طیبہ میں بھی اپنے نام کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے نام کو ملا دیا ہے اور اس حد تک ملایا ہے کہ دونوں ناموں کے درمیان عربی زبان کے قاعدے کے طور پر واؤ عاطفہ لانے کو بھی پسند نہ فرمایا۔ اس لیے کہ واؤ عاطفہ دو ذاتوں کی مغایرت کو ظاہر کرتا ہے۔ باری تعالیٰ نے اس واؤ عاطفہ کو بھی اپنے اور رسول ﷺ کے نام کے درمیان سے ہٹا کر اپنے بندوں کو یہ پیغام دے دیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول، ذاتیں اگرچہ دو ہیں اور مدارج میں بھی فرق ہے۔ اللہ تعالیٰ معبود ہے اور آپ ﷺ عبد ہیں، اللہ خالق ہے اور رسول ﷺ خلق ہے، اللہ تعالیٰ مالک ہے اور رسول مملوک ہیں مگر اس کے باوجود اللہ نے اپنی اطاعت و رضا اور اپنے رسول ﷺ کی اطاعت و رضا میں کوئی فرق نہیں

رکھا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے ذکر اور اپنے رسول ﷺ کے ذکر میں کوئی فرق روا نہیں رکھا۔ یہ سب کچھ ورفعنالك ذكرك کے نظارے ہیں جس کی طرف سید قطب مصری یوں اشارہ کرتے ہیں:

ورفعناه فی الملاء الاعلیٰ۔ ورفعناه فی الارض۔ ورفعناه فی هذا الوجود جمیعاً۔ فجعلناه اسمك مقرونا باسم الله کلم تحرکت به الشفاء۔ (فی ظلال القرآن، ۸: ۶۰۶)

''ہم نے آپ ﷺ کے ذکر کو ملاءِ اعلیٰ میں بلند کر دیا ہے۔ ہم نے آپ ﷺ کے ذکر کو زمین میں بلند کر دیا ہے۔ ہم نے آپ ﷺ کے ذکر کو تمام موجوداتِ عالم میں بلند کر دیا ہے۔ پس باری تعالیٰ نے آپ ﷺ کے اسم مبارک کو اپنے نام کے ساتھ ملا دیا ہے۔ جب بھی زبان ذکرِ خدا کرے گی تو ذکرِ مصطفی ﷺ بھی کرے گی۔''

طبقہ شعراء اسلام کے سردار سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے حسنِ مصطفی کی جلوہ آرائیاں اور رسول اللہ ﷺ کی صفات و کمالات کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور آپ ﷺ کی سیرت اور اسوۂ حسنہ کے عملی نظارے دیکھے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ اپنی شاعرانہ زبان سے پیکرِ حسنِ کمال اور مظہرِ جلوۂ حق کو ان کلمات کے ساتھ بیان کرتے ہیں:

ما ان مدحت محمدا بمقالتی ولکن مدحت مقالتی بمحمد

میں نے اپنے کلام سے رسول اللہ ﷺ کی تعریف نہیں کی ہے بلکہ ان کے ذکرِ اطہر سے اپنے کلام کو قابلِ تعریف بنایا ہے۔

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ کے معانی و معارف

ا۔ مذکورہ آیتِ کریمہ میں باری تعالیٰ نے رفعتِ ذکر مصطفی ﷺ کو ضمیر متصل جمع متکلم ''نا'' سے بیان کیا ہے۔ اس اسلوبِ کلام میں حیرت کی بات یہ ہے کہ وہ رب یہاں ضمیر واحد متکلم کے ساتھ رفعتِ ذکر کا بیان فرماتا تو مقصودِ توحید زیادہ حاصل ہو جاتا۔ درحقیقت اس نے ضمیر جمع متکلم بیان فرما کر رفعتِ ذکرِ مصطفی ﷺ کی عظمت کو اجاگر کیا ہے اور اس حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ میں رفعتِ ذکرِ مصطفی ﷺ میں اکیلا شریک نہیں ہوں بلکہ اس عمل میں میرے ساتھ میرے ملائکہ اور سارے برگزیدہ بندے بھی شریک ہیں۔ اس پر دلیل قرآن مجید کی آیت صلوۃ ہے جس میں رسول اللہ ﷺ کی ذات پر درود و سلام پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ارشاد فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔ (الاحزاب، ۳۳: ۵۶)

”بے شک اللہ اور اس کے (سب) فرشتے نبیِ (مکرّم ﷺ) پر درود بھیجتے رہتے ہیں، اے ایمان والو! تم (بھی) اُن پر درود بھیجا کرو اور خوب سلام بھیجا کرو۔“

۲۔ ورفعنا لك ذكرك میں ضمیر جمع متکلم اس حقیقت کی طرف بھی اشارہ ہے کہ باری تعالیٰ نے رفعت اور بلندی کو اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ عام طور پر دنیا میں کسی کو رفعت اس کے خاندان، دولت، اولاد، جاہ و منصب اور دیگر دنیوی اسباب کی وجہ سے ملتی ہے مگر اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ اقدس کو رفعتِ ذکر کی ان ساری معروضی صورتوں سے جدا اور الگ رکھا ہے۔ باری تعالیٰ نے آپ ﷺ کے ذکر کو رفعت دنیوی اسباب و وجوہ کی بنا پر ہرگز نہیں دی ہے بلکہ آپ ﷺ کی رفعتِ ذکر کی سب سے بڑی وجہ اور سب سے بڑی نسبت اللہ رب العزت نے اپنی ذاتِ اقدس کو قرار دیا ہے۔ یعنی رفعتِ ذکرِ رسول کی نسبت کا انتساب اللہ کی طرف سے ہے اور اس رفعتِ ذکر کا تعلق کسی دنیوی چیز اور تعلق سے ہرگز ہرگز نہیں ہے۔

آپ ﷺ کی ہر رفعت میں ورفعنا کی نسبت اور روح کارفرما ہے۔ اس لیے کہ دنیوی اسباب و عوارض کے ساتھ اگر رفعتِ ذکرِ رسول ﷺ کی نسبت ہوتی تو دنیوی اسباب کی بے ثباتی کی بنا پر ذکرِ رسول ﷺ کو دوام حاصل نہ ہوتا۔ اس لیے کہ انسانی چیزوں پر عروج و زوال آتا رہتا ہے۔ انسان اپنی ہی بنائی چیز کو اچھا بنا بھی لیتا ہے، اسے مزید اعلیٰ بھی کر لیتا ہے اور کبھی اپنی ہی بنائی چیز کو خود ہی بگاڑ بھی دیتا ہے۔ جس طرح چراغ کو انسان خود روشن بھی کر سکتا ہے اور خود بجھا بھی سکتا ہے مگر سورج اور چاند کی روشنی کو اپنی پھونکوں اور اپنی جدید قوتوں سے بھی بجھا نہیں سکتا کیونکہ انھیں رب نے روشن کیا ہوا ہے۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی شانِ رفعتِ ذکر کی نسبت اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی طرف نہیں بلکہ اپنی طرف کی ہے کہ رفعتِ ذکرِ رسول ﷺ کسی مخلوق کے سبب سے نہیں ہے بلکہ یہ رفعتِ ذکر میری قوت اور عظیم قدرت سے ہے۔

باری تعالیٰ نے رفعتِ ذکرِ رسول ﷺ کو جمع متکلم کے صیغے کے ساتھ اپنی طرف منسوب کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو یہ شانِ رفعتِ ذکر ہم نے عطا کی ہے۔ آپ ﷺ کے ذکر کی بلندی کسی مخلوق کی وجہ سے نہیں بلکہ ہماری عطا سے ہے۔ آپ ﷺ کے ذکر کو کوئی پست اور ہلکا نہیں کر سکتا، اس لیے کہ ہم آپ ﷺ کے ذکر کو بلند اور ارفع کر رہے ہیں۔ جو آپ ﷺ کے ذکر کو نیچا کرے گا، وہ خود نیچا اور پست ہو جائے گا اور جو آپ ﷺ کے ذکر کو بلند کرے گا، وہ خود بلند ہو جائے گا اور دنیا میں اس کا چرچا ہو گا۔

۳۔ اس آیت کریمہ میں ورفعنا صیغہ ماضی مطلق اس حقیقت کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ

آپ ﷺ کے ذکر کی بلندی آج کی نہیں بلکہ بہت پہلے کی ہے اور گزشتہ زمانے کے قرب و بعد کی قید سے بھی آزاد ہے۔ ہر زمانہ آپ ﷺ کے ذکر کی بلندی کا زمانہ ہے اور ہر مکان آپ ﷺ کے رفعتِ ذکر کے لیے بیتاب ہے۔ صیغے اور فعل کے اعتبار سے معنی رفعت صرف انسانی تفہیم کے باب میں ہے۔ وگرنہ حقیقتِ رفعتِ ذکرِ رسول ﷺ یہ ہے کہ جب زمانہ بھی موجود نہ تھا اس وقت بھی آپ ﷺ کا ذکر شانِ رفعت کے ساتھ موجود تھا۔

۴۔ ورفعنالك ذكرك کا ایک مفہوم یہ ہے کہ باری تعالیٰ نے آپ کے ذکر کو قیامت تک اور بعد از قیامت شانِ دوام عطا کر دی ہے۔ اس دنیا میں بڑے بڑے نامور آئے مگر بالآخر ان کا نام، ان کا ذکر اور چرچا مٹ گیا مگر رسول اللہ ﷺ کا نام، آپ ﷺ کا ذکر اور آپ ﷺ کا چرچا ہر آنے والے دن مسلسل بڑھ رہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ورفعنالك ذكرك کی آیت کریمہ کو وللآخرۃ خیرلك من الاولیٰ کی شان کی تفسیر اور عملی تعبیر حاصل ہے۔

۵۔ ورفعنالك ذكرك کے کلمہ ''لک'' میں لام تعلیل ہے یا لامِ تملیک ہے؟ اگر یہ لامِ تملیک ہے تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ ہم نے بلندیِ ذکر اور رفعتِ ذکر کو آپ ﷺ کی مِلک کر دیا ہے۔ آپ ﷺ جس کو بلند فرمائیں، وہ بلند ہوگا، آپ ﷺ جس کو نگاہوں سے نیچے گرا دیں، وہ دوزخ میں چلا جائے گا۔ آپ ﷺ کا دھتکارا ہوا زمانے میں کبھی رفعت و عزت نہ پا سکے گا۔ اس لیے کہ رفعتِ ذکر میں آپ ﷺ کو شانِ تملیک عطا کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رفعتِ ذکر کی شان کلمہ ''لك'' کے ذریعے رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ اقدس کے ساتھ مختص کر دی ہے۔

رفعتِ ذکر ایک کمال کی طرف اشارہ ہے اور رب کو کسی کمال کی ضرورت نہیں ہے، وہ تو خود صاحبِ کمال ہے، اسے کسی تعریف کی حاجت نہیں ہے، اسے رفعتِ ذکر کی حاجت نہیں ہے، وہ تو دوسروں کو رفعت عطا کرنے والا ہے مگر وہ رب اپنی اس شان کا عملی مظہر دیکھنا چاہتا تھا۔ پس اس نے ورفعنالك ذكرك کے مصداق رفعتِ ذکر کو آپ ﷺ کی مِلک میں کر دیا۔ وہ تو ازخود محمود ہے۔ اب اسے کسی اور ہستی کو صاحبِ محمود بنانا تھا۔

عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا۔ (الاسراء، ۱۷: ۷۹)

''یقیناً آپ ﷺ کا رب آپ ﷺ کو مقامِ محمود پر فائز فرمائے گا (یعنی وہ مقامِ شفاعتِ عظمیٰ جہاں جملہ اوّلین و آخرین آپ ﷺ کی طرف رجوع اور آپ ﷺ کی حمد کریں گے)۔''

اگر ورفعنالك ذكرك میں کلمہ ''لك'' میں لام ''تعلیل'' کے لیے ہو تو معنی یہ ہوگا کہ ہم نے آپ ﷺ کا ذکر صرف آپ ﷺ کی خاطر بلند کیا ہے۔ اس لیے تاکہ آپ ﷺ راضی ہو جائیں۔

وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى۔ (الضحیٰ، ۹۳: ۵)

”اور آپ ﷺ کا رب عنقریب آپ کو (اتنا کچھ) عطا فرمائے گا کہ آپ ﷺ راضی ہو جائیں گے۔“

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم
خدا چاہتا ہے رضائے محمد

خلاصۂ کلام

باری تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی ذات، آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ، آپ ﷺ کی تعلیمات اور آپ ﷺ کے دین کو قیامت تک ورفعنالك ذکرك کی صورت عطا فرمائی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی ہر شان ورفعنالك ذکرك کی صورت ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا داعیاً الی اللہ بنایا جانا، آپ ﷺ کو سراجاً منیراً بنایا جانا، آپ ﷺ کو نہ صرف اپنی امت بلکہ ساری امم کے لیے شاہد بنایا جانا، مبشر (خوشخبری سنانے والا) اور نذیر (اللہ کا ڈر سنانے والا) بنایا جانا، یہ سب رفعتِ رسول ﷺ کی صورتیں ہیں۔

آپ ﷺ کو النبی الامی بنا کر ساری دنیا کو یتبعون الرسول کا پیغام اتباع دیا جانا اور آپ ﷺ کے ذکر کو تورات اور انجیل میں آپ ﷺ کے آنے سے قبل ذکر کرنا، یہ ساری کی ساری ورفعنالك ذکرك کی صورتیں ہیں۔

آپ ﷺ کی ذات اقدس کو محلل الطیبات اور محرم الخبائث کا اختیار دیا جانا، آپ ﷺ کی رفعت ہی کا اظہار ہے۔

ویضع عنهم اصرهم کے مصداق؛ آپ ﷺ کا اپنی امت کے بوجھ کو دور کرنا، والاغلل التی کانت علیهم، کے مصداق؛ آپ ﷺ کا اپنی امت کو ہر غلامی کے طوق سے آزاد کرنا اس لیے ہے کہ آپ ﷺ کو ورفعنالك ذکرك کی شان عطا کی گئی ہے۔

آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس پر محبت سے بھرپور ایمان لانا فالذین امنوا به اور آپ کی حد درجہ تعظیم و تکریم کرنا وعزروہ اور آپ ﷺ کے دین کی مدد و نصرت و اشاعت و ترویج کرنا ونصروہ اور اپنی زندگی کو آپ ﷺ کی کامل اطاعت و اتباع کا نمونہ بنانا، یہ ساری کی ساری شانِ رفعتِ رسول ﷺ کی صورتیں ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی بعثت اور آمد کو ہم ہی میں سے کرنا یعنی من انفسکم کی شان عطا کرنا بھی

و رفعنالك ذكرك کی صورت ہے۔

آپ ﷺ کی امت جب ماعنتم کے مصداق کسی تکلیف و اذیت سے گزرتی ہے تو رسول اللہ ﷺ کو ان کے حق میں عزیزٌ علیہ، انتہائی مہربان اور مشفق بنایا جانا بھی و رفعنالك ذكرك کی صورت ہے۔

حتی کہ رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ اقدس کا سراپا پیکرِ شفقت و رحمت بنایا جانا اور ان کا بڑا ہمدرد اور خیر خواہ ہونے کا منصب حریص علیکم بالمومنین رؤف رحیم، آپ ﷺ کی شانِ رفعتِ کو ظاہر کرتا ہے۔

غرضیکہ قرآن مجید کی ہر ہر آیت آپ ﷺ کی رفعتِ کی حقیقت کو اجاگر کرتی ہے۔ جب تک قرآن محفوظ ہے، رسول اللہ ﷺ کی شانِ رفعت اور آپ ﷺ کا ذکر بھی محفوظ ہے۔

شانِ رفعتِ مصطفی ﷺ کی ایک صورت باری تعالیٰ قیامت کے روز بھی ہمیں دکھائے گا۔ جب ساری مخلوق پریشان حال ہو گی۔ انبیاء علیہم السلام سے ان کی امم گزارش کریں گی کہ وہ اللہ کی بارگاہ میں ان کی شفاعت کریں۔ ہر نبی و رسول اس دن صرف یہی کہے گا: اذهبوا الى غيري، کسی اور کی طرف جاؤ۔ جب یہ امم اپنے اپنے انبیاء کرام علیہم السلام کی قیادت میں سید المرسلین و خاتم النبیین ﷺ کی باگاہ میں پہنچیں گی تو اس وقت رسول اللہ ﷺ ساری مخلوقِ انسانی کو امید افزاء جواب دیں گے اور ارشاد فرمائیں گے۔ انا لها انا لها، ہاں یہ مقام و مرتبہ اللہ رب العزت نے آج مجھے ہی دیا ہے۔ یہ کہہ کر آپ ﷺ اللہ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہو جائیں گے۔ باری تعالیٰ فرمائے گا: يا محمد ارفع راسك، اے رسول مکرم ﷺ! اپنا سر انور اٹھایئے۔۔۔ سل تعطه، مانگیے آپ کو عطا کیا جائے گا۔۔۔ واشفع تشفع، آپ سفارش کریں، آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔۔۔ یہ سب بھی و رفعنالك ذكرك کا ایک عملی اظہار ہو گا جو قیامت کے دن رونما ہو گا۔

فقط اتنا سبب ہے انعقادِ بزمِ محشر کا
کہ ان کی شانِ محبوبی دکھائی جانے والی ہے

سیرت نبوی ﷺ کی روشنی میں الحاد کا تدارک

ڈاکٹر طاہر حمید تنولی

معلوم تاریخی ریکارڈ کے مطابق انسانی معاشرے کا آغاز توحید سے ہوا لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ توحید کی دعوت فراموش کر دی گئی اور توحید کی بجائے انسانی معاشرے میں شرک اور الحاد کی مختلف صورتیں ابھرنے لگیں۔ تاریخ کے مختلف ادوار میں الحاد کی مختلف صورتیں رہی ہیں حتی کہ الحاد کی ایسی صورتیں بھی انسانی معاشروں میں رائج رہی ہیں جن کا مقصود وہی تھا جو مبنی بر حق مذاہب کا مقصود تھا۔ تاہم مختلف ادوار سے گزرتے ہوئے آج الحاد اس شکل میں دنیا میں عام ہو چکا ہے جو آج کے انسان کو وجود باری تعالیٰ پر ایمان سے برگشتہ کرنا چاہتا ہے۔

مغرب کے ممتاز ماہر الہیات Wilhelm Schmidt نے 1912 سے 1954ء کے طویل عرصے کے دوران مسلسل تحقیق کر کے 12 جلدوں میں اپنے تحقیقی نتائج کو *The Origin of the Idea of God* کے نام سے شائع کیا۔ اپنی تحقیق سے اس نے ثابت کیا کہ ابتدائی انسانی معاشرے کا مذہب توحید تھا۔ ابتدائی انسان ایک قادر مطلق ہستی پر یقین رکھتا تھا جو رحمت اور احسان کی صفات سے متصف خالق تھا۔ اس اولین انسانی معاشرے کا انسان ایک خدا کو کائنات کا خالق اور زمینوں اور آسمانوں کا حاکم مطلق سمجھتا تھا اس کے بعد لوگوں نے ایک سے زیادہ خداؤں کی پوجا شروع کی۔

الحاد (atheism) اور لاادریت (agnosticism) دو مختلف تصورات ہیں۔ الحاد کا مطلب دیوتاؤں پر یقین نہ رکھنا ہے جبکہ لاادریت کسی مخصوص موضوع کے بارے میں علم کی کمی ہے۔یعنی ملحد دیوتاؤں کے وجود کا صریح انکار کرتا ہے جبکہ لاادری خدا کا وجود نامعلوم ہونے کی وجہ سے ان کے بارے میں کوئی فیصلہ یا رائے قائم نہیں کرتا۔ سادہ الفاظ میں مغربی تناظر میں الحاد کا مطلب یہ ہے کہ دیوی اور دیوتاؤں کا کوئی وجود نہیں اور ان سے متعلق جملہ بیانات جھوٹ ہیں۔

(Rowe, William L. Atheism, pp.62-63)

دور حاضر کے ملحدین کے چار بڑے نمائندوں میں سے ایک رچرڈ ڈاکنز (Richard Dawkins- born) ہے جو ارتقائی ماہر حیاتیات ہے۔ اس نے 2006ء میں *The God Delusion* لکھی جس کے مطابق ایک مافوق الفطرت خالق خدا کا تصور کرنا یا خدا کو موجود جاننا ممکن نہیں۔ اگرچہ ڈاکنز الٰہیات کا ماہر نہیں اس کے باوجود اس نے صرف ارتقائی حیاتیات کے تصورات پر انحصار کرتے ہوئے اس کتاب میں اس تصور کو فروغ دیا۔ اس کتاب میں ڈاکنز نے مذہب اور اخلاقیات کے درمیان تعلق کو بھی موضوع بحث بنایا اور کہا کہ اخلاقیات مذہب کے بغیر بھی ممکن ہے اور مذہب اور اخلاقیات کی ابتدا اور اصل کے حوالے سے اس نے بہت سے بے دلیل خیالات پیش کیے۔

ڈاکنز نے اپنے تئیں آئن سٹائنی مذہب اور سپر نیچرل مذہب میں امتیاز کرتے ہوئے آئن سٹائن اور اسٹیفن ہاکنگ کی طرف سے دیئے گئے وجودِ باری تعالیٰ کے حوالوں کو بھی تنقید کا نشانہ بنایا لیکن اس کی تنقید کا زیادہ ہدف عیسائیت، اسلام اور ہندومت جیسے مذاہب ہیں۔

ڈاکنز کو سب سے زیادہ اعتراض خدا کے اس تصور پر ہے جس کے تحت کائنات کے نظام میں خدائی مداخلت کو ماننا پڑے۔ اگرچہ وہ خدا کے اقرار یا انکار کو سائنسی بنیادوں پر قبول یا مسترد کرنا ممکن سمجھتا ہے لیکن اس بنیادی حقیقت کو نظر انداز کر دیتا ہے کہ کسی تصور کے اقرار یا انکار کے لئے اس سے متعلق جملہ ڈیٹا کا احاطہ کیا جانا ضروری ہے مگر وجود خداوند کے حوالے سے ایسا کیا جانا ممکن نہیں۔ڈاکنز نے وجودِ باری تعالیٰ کے لیے تھامس ایکوینس کے دیے گئے پانچ دلائل پر بھی تنقید کی اور ان میں سے بھی ڈیزائن سے متعلق دلیل پر بہت مفصل گفتگو کی۔ ان سب دلائل کو مسترد کرکے وہ فطری انتخاب کے ذریعے ارتقاء کو کائنات میں موجود نظم کی وضاحت کرنے کے لئے زیادہ شافی و کافی بنیاد قرار دیتا ہے۔

انسانی عقل کو درپیش اس مشکل سوال کہ کائنات میں موجود انتہائی پیچیدہ لیکن باہم مربوط نظم کی اساس کیا ہو سکتی ہے؟ اس حوالے سے کتاب کے چوتھے باب Why there almost

certainly is no God میں ڈاکنز لکھتا ہے کہ کائنات میں موجود نظم کی بنیاد پر کائنات کے کسی سپریم ڈیزائنر یا نظام فراہم کرنے والے کا تصور کرنا سعی لاحاصل ہے۔ کیونکہ اس صورت میں یہ مسئلہ پیدا ہوگا کہ ڈیزائنر کو کس نے ڈیزائن کیا یعنی کسی مشکل مسئلہ کو حل کرنے کے لئے اس سے بڑے مشکل مسئلے تک پہنچنا مشکل کا حل نہیں ہو سکتا بلکہ کائنات کے خالق ڈیزائنر کے تصور کے بجائے فطری انتخاب کا نظریہ کائنات کی بہترین توضیح کرتا ہے۔

یہاں ڈاکنز پورے یقین کے ساتھ وجودِ باری تعالیٰ کا انکار نہیں کر سکا بلکہ وہ یہ کہتا ہے کہ ہمیں کائنات کے خدا کے بجائے کائنات کی توضیح کے سادہ اصولوں پر انحصار کرنا چاہیے کیوں کہ بیک وقت عالم کل اور قادرِ مطلق خدا کا تصور ایک پیچیدہ تصور ہے۔ ڈاکنز کے مطابق کسی ہستی کے لیے بیک وقت ان دو اوصاف کا حامل ہونا منطقی طور پر ممکن نہیں لہذا وہ لاخدا کائنات کا نظریہ باخدا کائنات کے نظریے سے بہتر قرار دیتا ہے۔

مذہب اور اخلاقیات کو زیر بحث لاتے ہوئے ڈاکنز لکھتا ہے کہ اخلاقی طور پر اچھا ہونے کے لیے مذہب کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اس کے بجائے ہمیں بہتر اخلاقیات کے لیے ڈارون فکر کی ان توجیہات کی ضرورت ہے جن کے مطابق فطری انتخاب کے عمل کے ذریعے انسانوں میں پرہیزگاری کے جینز جنم لے لیں اور ان میں فطری ہمدردی کا جذبہ بیدار ہو جائے۔ اگر ہم اخلاقیات کو بائبل سے اخذ کرنا چاہیں تو ہم بآسانی اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اخلاقیات بائبل سے نہیں ملتی بلکہ ہماری اخلاقی ترقی بتاتی ہے کہ آج عیسائی لوگ بائبل کے کن حصوں کو قبول کرتے ہیں اور کن حصوں کو مسترد کرتے ہیں اور ان کے اس قبول و رد کے عمل کی بنیاد اخلاقی شعور اور اخلاقی اصول ہیں۔

رچرڈ ڈاکنز کی یہ کتاب محض الحاد کا دفاع نہیں بلکہ مذہب کے خلاف ادھوری معلومات، تعصب پر مبنی زاویہ نگاہ اور ناقص استدلال پر مبنی ایسی جارحانہ کاروائی ہے جسے عقلِ سلیم تسلیم نہیں کر سکتی۔ ڈاکنز نے مذہب کا انکار اس بنیاد پر کیا کہ مذہب سائنس کا مخالف، جنونیت کا حامی، ہم جنس پرستی کے لیے حوصلہ شکن اور معاشرے کو تقسیم کرنے والی قوت ہے۔

ڈاکنز نے وجود باری تعالیٰ کے اقرار یا انکار کا بوجھ فلسفہ اور سائنس کے کندھوں پر ڈال کر ایک ایسا اقدام کیا ہے جو نہ صرف غیر سائنسی اور غیر عقلی ہے بلکہ اس سے کوئی مفید علمی نتائج ملنے کے بجائے نفسانی خواہشات اور شہوات کی پیروی کرنے والوں کو مذہب سے فرار کی بنیاد اور دلیل فراہم ہوتی ہے۔

الحاد اور اسلام کی تعلیمات

قرآن مجید کی تعلیمات کے مطابق انسان کی فطرت کا تقاضا اللہ تعالیٰ کا انکار نہیں بلکہ توحید کا اقرار ہے۔ اولین انسانی معاشرے توحیدی معاشرے تھے۔ ارشاد ربانی ہے:

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْم بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًام بَيْنَهُمْ فَهَدَى اللهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ۔ (البقرۃ، ۲: ۲۱۳)

" (ابتداء میں) سب لوگ ایک ہی دین پر جمع تھے، (پھر جب ان میں اختلافات رونما ہوگئے) تو اللہ نے بشارت دینے والے اور ڈر سنانے والے پیغمبروں کو بھیجا، اور ان کے ساتھ حق پر مبنی کتاب اتاری تاکہ وہ لوگوں میں ان امور کا فیصلہ کر دے جن میں وہ اختلاف کرنے لگے تھے۔"

قرآن مجید کے اس دعوے کی تصدیق جدید تحقیقات بھی کرتی ہیں۔ جیسے جیسے انسانی معاشرے آگے بڑھے، بتدریج انسان شرک میں مبتلا ہوا۔ توحید کی دعوتِ انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت تھی جبکہ شرک کے اسباب انسان کے ساختہ تھے جو کئی انفرادی، سماجی، معاشرتی، اقتصادی اور اقتداری مفادات یا ناقص انسانی عقل کے ادھورے استدلال کی بنیاد پر شرک کا باعث بنے۔ انبیائے کرام علیہم السلام کی ثقاہت اور کردار کی عظمت نے انسان کو سماجی اور معاشرتی سطح پر وہ مثالی معیار دیا جس سے بہتر معاصر حالات میں انسانی معاشرہ تشکیل نہیں دیا جا سکتا تھا لیکن شرک نے انسانیت کو طبقاتی تقسیم در تقسیم کے عمل سے دوچار کیا۔

الحادی رجحانات اور استدلال کا تجزیہ بتاتا ہے کہ دور جدید کے ملحدین جن اسباب کی وجہ سے دین اور ذاتِ الٰہی کا انکار کرتے ہیں، وہ اسباب خود دینِ اسلام کی تعلیمات کا حصہ ہیں۔ وہ اسباب یہ ہیں:

۱۔ تصورِ الٰہ (دیویوں اور دیوتاؤں کا غیر عقلی نظام)

۲۔ مذہب کا تصور

۳۔ مذہبی کتابوں کے داخلی تضادات

۴۔ تصورِ تقدیر

۵۔ مسئلہ خیر و شر

۶۔ مذہب کا تصورِ عقل اور علم

۷۔ مذہب اور اعلیٰ انسانی اخلاقی اقدار

اس تحریر میں ہم ان اسباب اور اعتراضات میں سے صرف دو اسباب کی تفصیل بیان کریں گے:

(۱) مذہب کا تصور

مذہب کا انکار کرنے سے پہلے مسخ شدہ مذاہب اور حقیقی دین میں امتیاز کرنا ضروری ہے۔ اگر یہودیت اور عیسائیت کی مسخ شدہ تعلیمات اور غیر الہامی ادیان مثلاً ہندومت اور بدھ مت کو پیش نظر رکھ کر مذہب کا انکار اور اس انکار کی بنیاد پر ذات خداوند کا انکار کیا جائے گا تو یہ ذاتِ باری تعالیٰ کے انکار کی وہ غلط بنیاد ہو گی جس سے کبھی بھی درست نتائج اخذ نہیں کیے جا سکتے۔ ذات باری تعالیٰ کے اقرار یا انکار کے مباحث کو آگے بڑھانے سے پہلے اسلام اور دیگر مذاہب کے امتیاز کو سمجھنا ہو گا۔

اگر مذاہب کی نمائندہ الہامی اور غیر الہامی کتابوں میں عدمِ موافقت، اندرونی تضاد یا بے ربطی نظر آتی ہے تو اس کا اطلاق قرآن مجید پر اس لئے نہیں کیا جا سکتا ہے کے قرآن مجید نے خود اس امر کی دعوت دی ہے اور اعلان کیا ہے کہ اگر قرآن مجید اللہ کی طرف سے نازل کی گئی کتاب نہ ہوتی تو اس میں کئی اختلافات اور تضادات ہوتے۔ قرآن مجید کا ہر طرح کے تضادات سے پاک ہونا اور نزول سے آج تک بیان کئے گئے حقائق و تعلیمات کا بے مثل رہنا کہ جسے آج تک چیلنج نہیں کیا جا سکا، اس امر کی دلیل ہے کہ یہ اس ہستی کی طرف سے نازل کردہ کتاب ہے جو خالقِ عالم کل اور قادر مطلق ہے۔

(۲) مذہب اور اعلیٰ انسانی اخلاقی اقدار

قائلینِ الحاد نے دین کی جن تعلیمات اور احکامات کا انکار کیا اس کے نتیجے میں انسانیت کسی فلاح کی طرف نہیں بڑھی بلکہ اخلاقی بحران، تباہی، طبقاتی تقسیم اور نقصانات کا شکار ہوئی۔ اسلام میں اخلاقیات کی اہمیت اتنی زیادہ ہے کہ اخلاقی ثقاہت و صلابت کو دو جہت سے اقرار وجود باری تعالیٰ کی دلیل قرار دیا گیا۔ یعنی وجود باری تعالیٰ کے قائلین اخلاقی اقدار کا عملی نمونہ ہوں گے اور پھر ان کی اخلاقی ثقاہت منکرین کے لیے اقرار کی دلیل ہو گی۔

اخلاقِ مصطفیٰ وجودِ باری تعالیٰ کی دلیل ہیں

ضابطہ اور اصول یہ ہے کہ اگر عالمِ طبعی سے متعلق کوئی نظریہ یا تصور پیش کیا جائے گا تو اسے متعلقہ ڈیٹا، تجرباتی توثیق اور نتائج کی روشنی میں پرکھا جائے گا اور اگر کوئی ایسا نظریہ یا تصور پیش کیا جائے جو ہماری ذہنی، فکری اور شخصی و اخلاقی زندگی سے متعلق ہو تو اسے تصور یا نظریہ پیش کرنے والے کے اخلاق کی ثقاہت اور صلابت کی روشنی میں پرکھا جائے گا۔

کیا انکار وجودِ باری تعالیٰ کا دعویٰ کرنے والوں میں سے کوئی بھی ایسا ہے جو اللہ تعالیٰ کے وجود کے ہونے اور اس کے ایک ہونے کی دعوت دینے والے رسول اللہ ﷺ کی صداقت اور امانت کی

کوئی نظیر پیش کرسکے۔ کسی دعوے کی صداقت کو جانچنے کے لیے سیرت نبوی سے اس معیار اور اصول کی وضاحت بایں طور ہوتی ہے کہ:

۱۔ اعلان نبوت کے بعد حضور اکرم ﷺ نے اپنے مخاطبین کے سامنے دعوتِ توحید رکھی تو اس پر سب سے بڑی اور پہلی دلیل اپنے اخلاق اور کردار کی پیش کی جس کا اقرار قوم اعلانِ نبوت سے پہلے صادق اور امین کے طور پر کر چکی تھی۔

۲۔ اللہ رب العزت کی دلیل میں کوئی غلطی نہیں ہو سکتی۔ حضور اکرم ﷺ اللہ کی دلیل ہیں، اس میں غلطی نہ ہونے کا مشاہدہ آپ ﷺ کے کردار کے مسلسل بے مثل ہونے سے ہوگا۔

۳۔ مخالفین نے آپ ﷺ کی اس دلیل کو عملاً تسلیم کیا کہ دشمنی کی انتہا پر پہنچ کر یعنی آپ کے قتل کے درپے ہونے کے باوجود بھی اپنی امانتیں آپ کے پاس ہی رہنے دیں۔

۴۔ حضور اکرم ﷺ نے ختم نبوت کے علاوہ کسی اور کام کو درجۂ کمال تک پہنچانے کا اعلان نہیں کیا حتی کہ قرآن مجید کے علم کا معجزہ ہونے کے باوجود بھی علم کی زیادتی اور علم کے بڑھنے کا دروازہ کھلا رکھا ہے لیکن اخلاقیات کے بارے میں فرمایا کہ مجھے مکارمِ اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہے۔

۵۔ ہر دلیل ایک واقعہ ہے۔ مثلاً: چاند کے دو ٹکڑے ہونا لیکن صادق اور امین ہونا واقعہ نہیں بلکہ زندگی ہے۔

۶۔ کوئی دلیل بھی پیش کرنے کے بعد اس کے انکار پر منکرین کے لیے اس وقت سزا کا اعلان نہیں کیا گیا اور نہ وہ سزا فوری نافذ ہوئی مگر آپ ﷺ کی اس پہلی دلیل کے ابو لہب کے انکار کرنے پر اس کی سزا کا خود اللہ رب العزت نے اعلان کیا اور وہ سزا نافذ ہوئی۔

۷۔ زندگی میں وجودِ باری تعالی کی موجودگی کے عملی تجربے کی اساس بھی اخلاق اور کردار کی یہی ثقاہت ہے جو شخصیت کو اتنی مضبوطی عطا کر دیتی ہے کہ وہ 'من یعصمك منی' (ابن حبان) جیسے ناگفتہ بہ حالات میں بھی استقامت کا پیکر رہتا ہے۔

ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم اخلاقیات کے میدان میں کمزور ہیں۔ ہمارے معاشرے کی روحانی اور دینی شخصیات نے اخلاقیات کو سرفہرست اپنا ہدف نہیں بنایا۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کی اقوام میں بھی ذلت کا سامنا ہے اور بارگاہ رب العزت سے بھی تائید نصیب نہیں

ہو رہی۔ یہ کہنا کوئی مبالغہ نہیں ہوگا کہ بطور قوم ہماری تباہی کے اسباب کہیں باہر نہیں بلکہ ہماری بغل میں ہیں۔ ہمارا اخلاق اور رویہ ہمارے لیے اسم اعظم اور مسائل کے حل کے لیے شاہ کلید ہیں۔

مذہبی اعتقادات کے اثبات کے دو منہج

آج علمی اور عملی منظر نامہ بالکل بدل چکا ہے۔ اگر آج ہم دین اور ذاتِ حق کے اثبات کے لئے قرآن مجید سے رجوع کریں تو سابقہ ادوار کی نسبت بہت بدلے ہوئے علمی اور عملی تقاضے سامنے آتے ہیں جنہیں پورا کیے بغیر الحاد کے فتنے سے عہدہ برا نہیں ہوا جا سکتا۔ چونکہ مغربی الحاد کی بنیاد مذہب کے اس تصور پر ہے جس کی اسلام بطورِ دین خود تردید کرتا ہے، لہذا جدید مسلم علم الکلام کی بنیاد اصولِ تطبیق یا اصولِ تفریق کی بجائے اصولِ تثبیت کو بنانا ہوگا۔

اثباتِ وجودِ باری تعالی اور الحاد کے رد کے حوالے سے ہونے والی مباحث ہمارے لئے غور و فکر کے کئی نئے زاویے سامنے لاتی ہیں۔ مذہبی معتقدات کو حق ثابت کرنے کے لئے عام طور پر دو منہج اختیار کیے جاتے رہے ہیں:

ا۔ ایک یہ کہ مذہب اور انسانی عقلی علوم بشمول سائنس دو الگ الگ میدان ہیں جن میں کوئی قدرِ مشترک نہیں کیونکہ دونوں کے بنیادی اصول اور طریقہ ہائے استنباط و دلائل

ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔انسانی علوم اور سائنس تحقیق و جستجو، شک اور مشاہدے کے ساتھ آگے بڑھتے ہیں جبکہ دین کا معاملہ کلیتاً ایمان پر مبنی ہے جو عقلی وسائل سے ماوراء سرچشمے سے میسر آتا ہے۔

۲۔ دوسرا نقطہ نظر یہ ہے کہ انسانی عقل اور سائنس کے علوم سے ہونے والی دریافتیں بتدریج دینی حقائق کو ثابت کر رہی ہے جو مذہب کے حق ہونے کی دلیل کے طور پر پیش کیے جاتے ہیں۔ دوسرے نقطہ نظر پر اعتراضات کا ایک طویل سلسلہ موجود ہے۔کیونکہ ہر دلیل کے لئے ایک رد ہے اور جب بھی جدید سائنسی علوم سے کوئی دلیل لیتے ہوئے دینی حقائق کو ثابت کیا جاتا ہے تو اس سائنسی دلیل کے ٹوٹنے پر دینی حقائق کے اثبات کا معاملہ بھی تزلزل کا شکار ہو جاتا ہے۔

اس لیے دینی حقائق کو ثابت کرنے کے لئے سائنسی علوم سے استشہاد سے پہلے سائنسی علوم کی کماحقہٗ تفہیم اور ان کے نتائج کے اطلاق کی مہارت لازمی تقاضا ہے۔جب بھی سائنسی علوم کی تحقیقات سے حاصل ہونے والے نتائج کو بغیر درست تفہیم کے دینی حقائق کے اثبات کے لئے استعمال کیا گیا تو اس سے مضحکہ خیز صورت حال پیدا ہوئی۔اس کی بڑی مثال آئن سٹائن کے نظریہ اضافیت سے دینی حقائق کے اثبات کی کوششیں ہیں۔علامہ اقبال جیسی عظیم فکری اور فلسفی شخصیت نے بھی آئن سٹائن کے نظریہ اضافیت کی کماحقہٗ تفہیم کے حوالے سے نارسائی کا اعتراف کیا ہے۔

تدارکِ الحاد کے لیے عملی رہنمائی

۱۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے توحید و رسالت پیش کرتے ہوئے سب سے پہلی دلیل اخلاقیات سے متعلق دی۔ اخلاقیات ایک قوت ہے۔ آج کا الحاد اپنی اخلاقیات کا پابند ہے جبکہ قائلین مذہب اخلاقی محاذ پر بہت پستی کا شکار ہیں۔

۲۔ قرآن مجید علمی معجزہ اور ذاتِ حق کی دوسری دلیل ہے۔ قائلینِ مذہب کو علمی بنیادوں پر مستحکم اور ثقاہت حاصل کر کے ملحدین کو بتانا ہوگا کہ ان کے پاس نہ کوئی برہان ہے اور نہ کوئی دلیل اور علم۔ علمی لحاظ سے فتنہ الحاد آج طاقتور ہے،اس لیے اس کا رد کرنے کے لئے ہمیں بھی علمی لحاظ سے مضبوط ہونا ہوگا۔

۳۔ الحاد کا موثر جواب دینے کے لیے محض عقلی استدلال کافی نہیں ہوگا بلکہ اس کے

لیے دینی عقائد کو قابلِ مشاہدہ بنانے کے لیے جدوجہد کرنی ہوگی جس کا راستہ تصوف کا راستہ ہے۔ متکلمین اور اہلِ فلسفہ کی سوچ محض تصورات تک ہے جبکہ صوفیاء کی تعلیمات تجربہ اور مشاہدہ پر مبنی ہیں۔ فلسفہ کے دیے ہوئے تصورات نہ صرف یہ کہ قابلِ مشاہدہ نہیں بلکہ ان کی ثقاہت کے بارے میں بھی یقینی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اس کے مقابلے میں صوفیا مثلاً داتا گنج بخش علی ہجویری نے کشف المحجوب، غوث ثقلین شیخ عبدالقادر جیلانی نے فتح الربانی، فتوح الغیب اور شیخ اکبر محی الدین ابن عربی نے فتوحاتِ مکیہ میں انسان کے شعوری اور اخلاقی ارتقاء کے نتیجے میں ذاتِ انسانی کی تکمیل کے درجات کا ذکر کیا ہے، وہ سب قابلِ تجربہ اور قابلِ مشاہدہ ہیں۔ آج کی خانقاہ کو صوفیہ کی ان تعلیمات کو ایک قابلِ عمل اور نتیجہ خیز منہج کے طور پر متعارف کروانا ہوگا۔

۴۔ وجود باری تعالیٰ کے اثبات کی حتمی اور ناقابلِ تردید دلیل ذات نبوی ﷺ ہے۔ اس باب میں محض عقل کو رہنما نہیں بنایا جا سکتا۔ علامہ اقبال سے جب پوچھا گیا کہ اثباتِ وجود باری تعالیٰ کی کوئی قطعی علمی دلیل ہے تو انہوں نے کہا: نہیں۔ پوچھنے والے نے کہا کہ پھر آپ خدا کو کیوں مانتے ہیں؟ حضرت علامہ نے فرمایا کہ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے زندگی بھر جھوٹ نہیں بولا۔ ان کے مخالفین بھی انہیں صادق اور امین کہتے تھے۔ میں اس معاملے میں بھی انہی کی زبان اور فرمان پر یقین کرتے ہوئے خدا کے وجود کا اقرار کرتا ہوں۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں:

مسلماں را ہمیں عرفان و ادراک
کہ در خود فاش بیند رمز لولاک
خدا اندر قیاس ما نہ گنجد
شناس آں را کہ گوید ما عرفناک

مسلمان کا عرفان و ادراک (معرفت اور فہم دین) یہی ہے، کہ وہ اپنے اندر لولاک کا راز عیاں دیکھتا ہے۔ (حضور ﷺ کو مقصودِ حیات سمجھتا ہے)۔ اللہ تعالیٰ تو ہماری سوچ میں نہیں سماتے، تو انہیں پہچان جنھوں نے فرمایا تھا کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کی معرفت کا حق ادا نہیں کیا۔

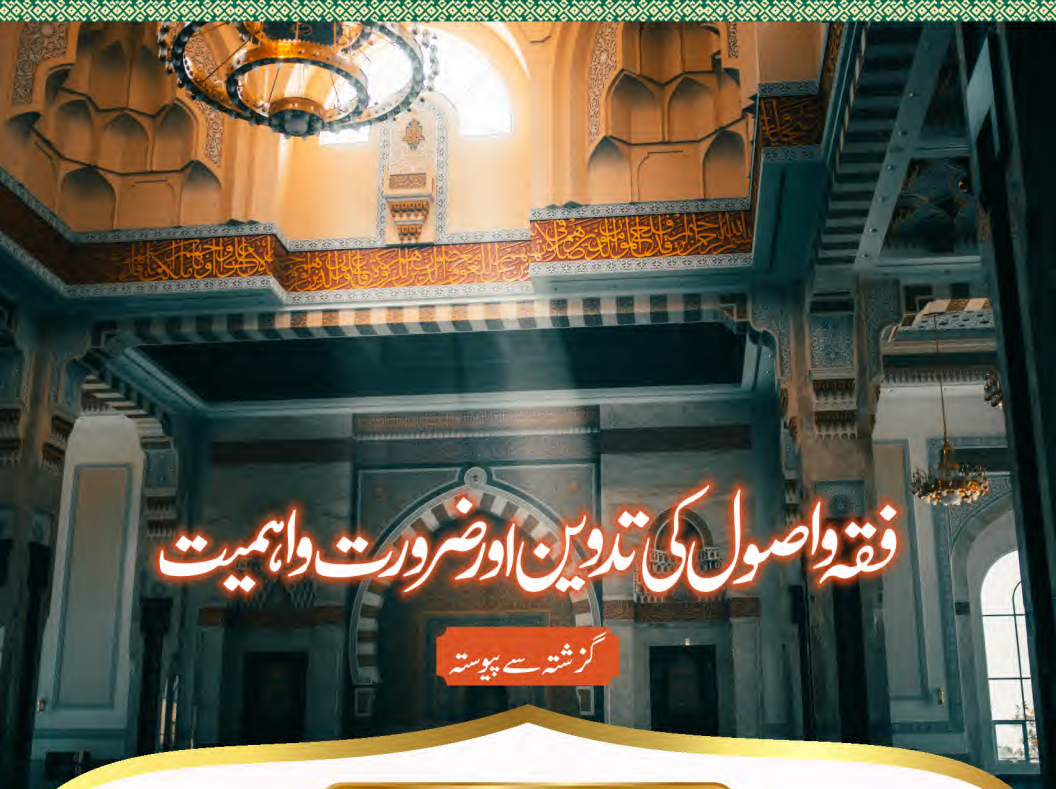

فقہ واصول کی تدوین اور ضرورت واہمیت

گزشتہ سے پیوستہ

مفتی ارشاد احمد ساحل

فقہ واصول؛ کتاب وسنت کے عصری تقاضوں کی کیسے خدمت کرتے ہیں اور ان پر کتاب وسنت کا فیض بار سائبان کس طرح سایہ کناں ہے، اس کا اندازہ اسی بات سے کیجئے کہ فقہ واصول کی چار بنیادیں ہیں:

۱۔ کتاب اللہ۔ ۲۔ سنت رسول اللہ۔ ۳۔ اجماع۔ ۴۔ قیاس

ان میں کتاب و سنت تو بنیادی مصادر ہیں اور اجماع و قیاس کتاب وسنت کی تائید سے مزین اور مستفاد۔ اجتہاد صرف اس صورت میں ہوتا ہے جب کسی مسئلے کا حکم کتاب وسنت میں صراحتاً نظر نہ آئے تو نظائر و امثال پر اس مسئلے کو پیش کرکے اس کا شرعی حکم دریافت کر لیتے ہیں۔ اس لیے فقہ و اصول کی تدوین اور ایجاد منشائے شریعت کی تکمیل کی خاطر مشیتِ الٰہی کی تائید سے عمل میں آئی۔ اس کے بغیر اسلامی احکام کی مکمل تفہیم ناممکن ہے۔

حضرت امام سلیمان اعمشؒ عظیم محدث اور حضرت امام اعظمؒ کے استاذ ہیں۔ حضرت امام اعظمؒ آپ سے بہت مانوس تھے۔ ایک مرتبہ آپ حضرت سلیمان اعمشؒ کی محفل میں حاضر تھے، کسی شخص نے حضرت امام اعمشؒ سے کچھ مسائل دریافت کیے۔ انہوں نے امام اعظمؒ سے پوچھا کہ آپ ان مسائل کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ حضرت امام اعظمؒ نے ان سب مسائل کے شرعی احکام بیان فرمادیئے۔ امام

اعمشؒ نے حیرت سے پوچھا: یہ کہاں سے کہتے ہو؟ فرمایا: آپ ہی کی بیان کردہ ان احادیث سے اور پھر آپ نے وہ احادیث اسناد کے ساتھ بیان فرمادیں۔ امام اعمشؒ نے فرمایا: بس بس! میں نے آپ سے جتنی احادیث سو دن میں بیان کیں، آپ نے وہ سب ایک دن میں سناڈالیں۔ میں نہیں جانتا تھا کہ آپ ان احادیث پر عمل کرتے ہیں۔ اے گروہ فقہا: تم طبیب ہو اور ہم محدثین عطار، اور اے نوجوان! تم نے دونوں (حدیث اور فقاہت) کو حاصل کیا۔ (الخیرات الحسان، ص: ٦٧)

جس طریقے سے قرأت قرآنی کے لہجوں میں اختلاف کی وجہ سے اہلِ عجم کا اس آسمانی صحیفے میں الجھنا تدوین قرآن کا سبب بنا۔۔۔ حضرات صحابہ کا تسلسل کے ساتھ دنیا سے رخصت ہونا اور ان کے رواۃ میں اختلاف تدوینِ حدیث کا باعث بنا۔۔۔ وضع حدیث کے فتنے سے احادیث کو سرمائے کو محفوظ کرنے کے لیے اسماء الرجال کا فن مدون ہوا۔۔۔ اسی طرح کتاب و سنت کے معانی کی تفہیم میں اختلاف اور فقہا صحابہ کے فتاویٰ میں اختلاف نے ایسی فضا پیدا کی، جس کی وجہ سے اسلام کے ہمدردوں کو ایسے اصولِ استنباط وضع کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی، جن کی روشنی میں آسانی کے ساتھ مسائل کے احکام دریافت کیے جاسکیں اور درست فیصلے تک پہنچا جاسکے۔

فقہ واصول کی تدوین کے سرخیل: امام اعظمؒ

حضرات تابعین کی اخیر صفوں نے فقہ و اصول کی تدوین کی سمت توجہ فرمائی اور اس کاروانِ سعادت کی سرخیل امام الائمہ سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی ذات قدسی صفات ہے، جن کے نورِ باطن سے آج بھی دنیا درخشانیوں کی سوغات حاصل کر رہی ہے۔ حضرت امام مزنی شافعیؒ فرماتے ہیں:

ابوحنيفة اول من دون علم الفقه وافرده بالتاليف من بين الاحاديث النبوية وابوابه فبدا بالطهارة ثم بالصلوة ثم بسائر العبادات ثم المعاملات الى ان ختم الكتاب بالمواريث وقفاه فى ذلك مالك بن انس وقفاه ابن جريج وهشام۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کو تدوینِ فقہ میں اولیت کا مقام حاصل ہے جنھوں نے اس علم کو احادیثِ نبویہ سے اخذ کرکے الگ ممتاز فن کی شکل عطا کی اور اس کے ابواب متعین کیے۔ سب سے پہلے باب طہارت کے مسائل رقم کیے، پھر نماز کے پھر ساری عبادات کے، ان کے بعد معاملات کے، یہاں تک کہ میراث کے مسائل پر فقہی ابواب کا اختتام فرمایا۔ اسی طرزِ تدوین و ترتیب کو بعد میں حضرت امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ پھر حضرت ابن جریج اور حضرت ہشام نے اختیار فرمایا۔

(تاریخ علم الفقہ، عمیم الاحسان)

فقہی مسائل کے استنباط اور اس فن کی تدوین کا انداز شورائی تھا۔ کسی ایک فقہی باب کے مسائل اٹھائے جاتے، ایک ایک مسئلہ قرآن و حدیث کے معیار پر پرکھا جاتا اور گرما گرم ابحاث ہوتیں۔ اس محفل بحث و استنباط میں ہر ایک کو شمولیت کی اجازت نہیں تھی بلکہ اسلامی علوم کے اعلیٰ ماہرین اور نورِ باطن سے سرفراز ایسے تقدس مآب چالیس افراد اس تدوین بورڈ میں شامل تھے جو اپنی نظیر آپ تھے اور ہر ایک درجۂ اجتہاد پر فائز۔ قول فیصل حضرت امام اعظم کا ہوتا۔ اس مجلس تدوین کے استناد کے لیے مشہور محدث حضرت وکیع بن الجراح کا یہ بیان کافی ہے:

''امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے کام میں غلطی کیسے باقی رہ سکتی ہے جبکہ واقعہ یہ تھا کہ ان کے ساتھ ابو یوسف، زفر اور محمد جیسے لوگ قیاس و اجتہاد کے ماہر موجود تھے۔ حدیث کے باب میں یحییٰ بن زکریا زائدہ، حفص بن غیاث، حبان اور مندل جیسے ماہرینِ حدیث ان کی مجلس میں شریک تھے، لغت و عربیت کے ماہرین میں قاسم بن معن یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود کے صاحبزادے عبدالرحمن بن عبداللہ بن مسعود جیسے حضرات شریک تھے۔ داؤد بن نصیر طائی اور فضیل بن عیاض جیسے لوگ تقویٰ و ورع اور زہد و پرہیز گاری رکھنے والے موجود تھے۔ جس کے رفقائے کار اور ہم نشین اس قسم کے لوگ ہوں، وہ غلطی نہیں کر سکتا۔ کیونکہ غلطی کی صورت میں صحیح امر کی طرف یہ لوگ یقیناً واپس کر دیتے ہوں گے۔'' (جامع المسانید، ص: ۳۳)

فقہ و اصول دونوں کی تدوین کا آغاز ساتھ ہی ہوا کیونکہ اصول کی روشنی میں ہی مسائل کا استخراج ہوتا ہے لیکن ممتاز فن کی حیثیت سے اصول نے اپنی شناخت ذرا بعد میں بنائی۔ حضرت امام اعظم کے ممتاز مجتہد تلامذہ سیدنا امام ابو یوسف اور امام محمد نے اصول فقہ کے باب میں تحریریں چھوڑی ہیں۔ حضرت امام مالک نے بھی موطا میں اس فن کے بعض قواعد کی جانب واضح اشارات دیئے ہیں لیکن اصول فقہ کے باب میں ممتاز تصنیف کی شکل میں حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا تحریر فرمودہ ''الرسالۃ'' سامنے آیا، جسے خاصی شہرت ملی یہاں تک کہ ابن خلدون جیسے محقق کو یہ گمان ہو گیا کہ اس فن کی تدوین کا سہرا حضرت امام شافعی کے سر ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''اصول فقہ پر سب سے پہلے امام شافعی نے قلم اٹھایا اور اپنا مشہور ''الرسالۃ'' قلم بند کیا، جس میں اوامر و نواہی، بیان و خبر، نسخ و علۃ القیاس کے حکم وغیرہ پر ابحاث کیں، پھر فقہائے حنفیہ نے مبسوط کتابیں تالیف کیں، جن میں اصول فقہ کے قواعد و ضوابط وضاحت و تفصیل کے ساتھ مقرر و مدون کیے اور دوسری طرف متکلمین نے بھی اسی طرح کی کتابیں تصنیف کیں۔ غرض فقہائے حنفیہ کو فقہی باریکیوں

پر دسترس اور مسائلِ فقیہ سے اصول فقہ کے قواعد و قوانین اخذ کرنے میں یدِ طولیٰ حاصل ہے۔

(تاریخ افکار و علوم اسلامی۔ راغب طباخ، ۲: ۳۰)

لیکن مشہور شافعی مؤرخ ابن خلکان اس فن کی تدوین کا سہرا حضرت امام ابو یوسف کے سر باندھتے ہیں۔ ان کا بیان دیکھئے:

''سب سے پہلے انھوں نے (امام ابو یوسف) فقہ حنفی سے متعلق اصولِ فقہ کی تحریری بنیاد رکھی اور مسائل کا املا کرایا اور ان کی اشاعت ہوئی اور تمام اطراف اور بلاد و امصار میں امام ابو حنیفہ کا علم پھیل گیا۔ (تاریخ افکار و علوم اسلامی، راغب طباخ، ۲: ۳۳)

حضرات محققین نے خوب فرمایا:

''فقہ کی کاشت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمائی، حضرت علقمہ نے اس کی آبیاری کی، حضرت ابراہیم نخعی نے اس کھیتی کو کاٹا، حضرت حماد نے اس کی بھوسی اتاری، حضرت امام اعظم نے اسے باریک پیسا، حضرت امام ابو یوسف نے اسے گوندھا اور حضرت امام محمد بن حسن شیبانی نے اس کی روٹیاں پکائیں۔ اب ساری امت ان روٹیوں سے شکم سیر ہو رہی ہے۔''

(فتاویٰ ملک العلماء، ص: ۲۴)

اجتہاد و تدوین فقہ کے سارے معاملات محض کتاب و سنت کی تفہیم اور مسائلِ حیات کی اسلامی تشریح اور تحلیل کے لیے عمل میں لائے گئے اور کتاب و سنت کی روشنی میں احکامِ شریعت بنائے گئے۔ البتہ خداداد شعورِ شریعت اور تفقہ کی نعمت سے بہرہ مند ہونے کے سبب یہ کارنامے تو ان بزرگوں کے ہیں لیکن یہ سارے احکام علومِ نبوت کا فیضان اور کتاب و سنت اور شریعت کے احکام ہی شمار ہوں گے۔ ان کی پیروی اللہ اور رسول کے حکم کی پیروی ہی کہی جائے گی۔ انہیں اسلام سے الگ کسی غیر کی اقتدا سمجھنا سراسر نادانی ہے اور اسلامی فہم و شعور سے بے گانگی ہے۔

امام اعظمؒ کا علمی و روحانی مقام

حضرات ائمہ اسی لیے تو ہمارے مقتدا اور مقدس پیشوا ہیں کہ یہ حضرات بارگاہ خدا اور رسول سے زیادہ قرب رکھتے ہیں۔ ان کا قربِ الٰہی دیکھنا ہے تو حضرت امام اعظم کی حیات مبارکہ کا روشن ورق ہی ملاحظہ کر لیں۔ آپ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشارت ہیں، سارے ممتاز محدثین کے بالواسطہ یا بلاواسطہ استاذ ہیں، آپ کے تلامذہ میں چالیس ایسے جلیل الشان تھے جو منصبِ اجتہاد پر فائز تھے اور قربِ خدا کی اعلیٰ منزلوں پر فائز تھے۔ قاضی بغداد عمارہ بن حسن نے آپ کو اخیر غسل دیا۔ غسل دیتے جاتے اور یہ

کہتے جاتے تھے: واللہ! تم سب سے بڑے فقیہ، سب سے بڑے عابد، سب سے بڑے زاہد تھے، تم میں تمام خوبیاں جمع تھیں، تم نے اپنے جانشینوں کو مایوس کر دیا ہے کہ وہ تمھارے مرتبے کو پہنچ سکیں۔ (نزہۃ القاری، ۱: ۱۶۳)

کبار اولیائے کرام جیسے حضرت ابراہیم بن ادھم، حضرت شقیق بلخی، حضرت معروف کرخی، حضرت بایزید بسطامی، حضرت فضیل بن عیاض، حضرت عبداللہ بن مبارک، حضرت وکیع بن جراح، حضرت شیخ الاسلام ابو بکر بن وراق، حضرت سلطان الہند خواجہ سید معین الدین حسن چشتی اجمیری سنجری حنفی رضی اللہ تعالیٰ عنھم نے آپ کی اقتدا کو باعثِ فخر جانا۔

آپ جلیل الشان تابعی ہیں جنھوں نے متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زیارت کا شرف حاصل کیا۔ اسی تقدس اور طہارت کا اثر تھا کہ آپ کی دینی فکر اور شرعی خدمات کو ایسا قبولِ عام حاصل ہوا کہ دو تہائی اسلامی دنیا آپ سے شرفِ نیاز رکھتی ہے اور حنفی کا لقب ان کے لیے باعث افتخار اور دین و دنیا کا سرمایۂ سعادت ہے۔ صاحب مجمع البحار بین الاقوامی شہرت یافتہ ہندی شافعی محدث اور فقیہ علامہ محمد طاہر فتنی (م ۹۸۶ھ) نے ''المغنی'' میں بہت پیاری بات فرمائی ہے:

فلولم یکن للہ سر خفی فیہ لما جمع لہ شطر الاسلام او ما یقاربہ علی تقلیدہ حتی عبداللہ بفقھہ و عمل برائہ الی یومنا ما یقارب اربع مائۃ و خمسین سنۃ و فیہ اول دلیل علی صحتہ۔ (المغنی، ص: ۸۰)

''اگر اس مذہب حنفی میں اللہ تعالیٰ کی قبولیت کا راز پوشیدہ نہ ہوتا تو نصف یا اس کے قریب مسلمان اس مذہب کے مقلد نہ ہوتے۔ ہمارے زمانے تک جس کو امام صاحب سے تقریباً ساڑھے چار سو برس کا عرصہ ہوتا ہے، ان کی فقہ کے مطابق اللہ وحدہ کی عبادت ہو رہی ہے اور ان کی رائے پر عمل ہو رہا ہے۔ یہ اس مذہب کے عنداللہ مقبول اور صحیح ہونے کی شاندار دلیل ہے۔''

سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ (م ۱۵۰ھ) کے علاوہ امام مالک بن انس (م ۱۷۹ھ)، امام محمد بن ادریس شافعی (۲۰۴ھ)، امام احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ)، حضرت سفیان ثوری (م ۱۶۱ھ)، امام لیث بن سعد (م ۱۷۵ھ)، امام ابو ثور (م ۲۴۰ھ)، امام عبدالرحمن بن عمر اوزاعی (م ۱۵۷ھ) نامور مجتہد فقہاء گزرے ہیں، یہ سبھی ائمہ قرآن و حدیث کے بہترین شناور، احادیث طیبہ کے زبردست ماہر، علم و ادب کے امام، زہد و تقویٰ کے نورانی منارے ہیں، جن سے دنیا ہر سطح پر رہنمائی حاصل کرتی رہی۔ یہ بے نفس بزرگ کوئی ایسی بات دین و اسلام کے تعلق سے کیسے فرما سکتے ہیں جو قرآن و حدیث کے خطوط سے ہٹ کر ہو جبکہ ان کا امتیاز ہے کہ مخلوقِ خدا میں سب سے زیادہ خشیت الٰہی ان ہی کا حصہ ہے۔

حضرت امام اعظم کا صاف ارشاد ہے:

اذا صح الحدیث فھو مذھبی

جب کوئی حدیث صحت سند کے ساتھ دستیاب ہو جائے تو وہی میرا مذہب ہے۔

حضرت امام شافعی نے مکہ معظمہ میں ایک مرتبہ فرمایا:

''جو چاہو، مجھ سے دریافت کرو، میں تمہیں کتاب اللہ سے اس کی خبر دوں گا۔''

حضرت امام غزالی ایک فقیہ کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''فقیہ وہ ہے جو دنیا سے دل نہ لگائے اور آخرت کی طرف ہمیشہ راغب رہے، دین میں کامل بصیرت رکھتا ہو، طاعات پر مداومت اپنی عادت بنالے، کسی حال میں بھی مسلمانوں کی حق تلفی برداشت نہ کرے، مسلمانوں کا اجتماعی مفاد ہر وقت اس کے پیش نظر ہو، مال کی طمع نہ رکھے، آفاتِ نفسانی کی باریکیوں کو پہچانتا ہو، عمل کو فاسد کرنے والی چیزوں سے بھی باخبر ہو، راہِ آخرت کی گھاٹیوں سے واقف ہو، دنیا کو حقیر سمجھنے کے ساتھ ساتھ اس پر قابو پانے کی قوت بھی اپنے اندر رکھتا ہو، سفر و حضر اور جلوت و خلوت میں ہر وقت دل پر خوفِ الٰہی کا غلبہ ہو۔ (احیاء العلوم)

ایک غیر مجتہد فقیہ کے جب یہ اوصاف مطلوب ہیں تو پھر مجتہد فقیہ کے لیے اوصاف کی کیسی کوالٹی مطلوب ہو گی، اس کا ہر باشعور شخص اندازہ کر سکتا ہے۔ اس لیے ان ائمہ کرام کے سارے معاملات اللہ اور رسول کی رضا میں گم ہیں۔ وہ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے۔ گفتہ او گفتہ اللہ بود، ان کا امتیاز ہے۔ یہ حضرات یا تو قرآن سے نور لیتے ہیں یا حدیث پاک سے روشنی۔ پھر اپنی بصیرت آشنا ژرف نگاہی سے علومِ شریعت کی غواصی کر کے امتِ مسلمہ کے لیے آسانیاں فراہم کرتے ہیں۔ ان کی اقتدا ایسے نفوسِ قدسیہ کی پیروی ہے جس کی دعا ہر نماز میں کی جاتی ہے:

اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ۔ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ۔ (الفاتحہ، ۱: ۵، ۶)

یہ انعاماتِ الٰہیہ سے سرفراز حضرات ہیں، جن کی اقتدا کا ہمیں اس انداز سے حکم دیا گیا ہے:

وَّاتَّبِعْ سَبِیْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ۔ (لقمان، ۳۱: ۱۵)

وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ۔ (التوبۃ، ۹: ۱۱۹)

اس لیے ان کی اطاعت دراصل حکمِ الٰہی کی تعمیل ہے۔ وہ بے نصیب لوگ ہیں جو ان حضرات سے دامن کشاں گزرتے ہیں۔

صرف چار فقہی مذاہب ہی کی تقلید کیوں ضروری ہے؟

یہاں اس گوشے کی وضاحت کر کے اپنی بات مکمل کرتا ہوں کہ جب کتاب و سنت کے سرچشمے

قیامت تک تازہ اور رواں دواں ہیں تو پھر قرنِ اول اور ثانی کے ائمہ مجتہدین کی پیروی ہی کیوں کی جائے۔ بعد کے دور میں بھی تو اہلِ اجتہاد پیدا ہوں گے جو دورِ حاضر کے نت نئے مسائل کو اپنی خداداد صلاحیتوں کی روشنی میں حل کرتے ہیں۔ ساری دنیا چار فقہی مذاہب؛ حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی میں ہی کیوں محدود رہے؟

اس سلسلے میں پہلے یہ بات ذہن نشین کرلی جائے کہ دوسری صدی ہجری میں صرف چار فقہی مذاہب ہی نہیں تھے اور حضرات ائمہ مجتہدین میں ائمہ اربعہ کا ہی شمار نہیں ہوتا تھا بلکہ بیسیوں اکابرِ اسلام ایسے تھے جو منصبِ اجتہاد پر فائز تھے بلکہ کئی ایک دیگر ائمہ کے مذاہب پھیلے بھی۔ کوفہ میں حضرت سفیان ثوری، مصر میں امام لیث، بغداد میں ابو ثور، اندلس اور دمشق میں امام اوزاعی کے متبعین پائے جاتے تھے لیکن ان حضرات ائمہ کو تسلسل کے ساتھ متبعین دستیاب نہیں ہو سکے کہ ان کا مذہب ہمارے دور تک پہنچتا۔ ان کے افکار کو ان کے اخلاف نے تحریری طور سے منضبط نہ کیا، اس لیے ان ائمہ کے فقہی مسائل رفتہ رفتہ زمانے کی تہوں میں گم ہوتے چلے گئے۔ جب ان کے ذخائرِ افکار اور مستنبط مسائل پوری ضروریاتِ حیات اور اسلامی گوشوں کو محیط ہو کر محفوظ ہی نہیں رہے تو بھلا امت اسے اپنائے گی کیسے؟ جبکہ رائج چاروں فقہی مذاہب اپنی مکمل تفصیلات کے ساتھ سارے فقہی ابواب پر محیط ہو کر اب بھی جوں کے توں محفوظ ہیں، بلکہ آئے دن ان کے ذخائر میں اضافہ ہی ہوتا جاتا ہے۔ بلا مبالغہ ہر فقہی مذہب کی تفصیلات اور تشریحات پر مشتمل اب تک لاکھوں کتابیں لکھی جا چکی ہیں، اس لیے ساری صحیح العقیدہ دنیا ان چاروں مذاہب کے دائرے میں سمٹی سمٹائی ہے۔

رہ گئی قرآن وحدیث کی شاہراہِ سعادت تو وہ قیامت تک ہر زمانے میں امت کے لیے کشادہ ہے، اس کا در کبھی بند نہیں ہوا۔ لیکن ان سمندروں سے تب وتاب والے گہر ہائے ثمین نکالنے والے اہلِ ظرف عرصے سے مفقود ہیں۔ ان کی مجتہدانہ شناوری کے لیے جس معیار کا علمی شعور چاہیے وہ اہلِ نظر کی نگاہ میں تیسری صدی ہجری کے بعد سے دستیاب نہیں۔ اگر ربِ قادر کوئی ایسا بندہ پیدا کردے جو ان تمام گوشوں پر حاوی ہو جو اجتہادی صلاحیت کے لیے درکار ہوتے ہیں تو وہ بے تکلف اجتہاد کر سکتا ہے۔

حضرات ائمہ مجتہدین عہدِ رسالت سے قرب کی بدولت جو انشراحِ صدر رکھتے تھے، اس کے دستیاب ہونے کی تو اب کوئی صورت ہی نہیں ہے لیکن کتاب وسنت جیسی واقفیت اور علوم وآداب کے جن گوشوں کی ابھی ابھی نشاندہی ہوئی، کیا اب کوئی ایسا نظر آتا ہے جو ان فنون وآداب سے واجبی سی واقفیت بھی رکھتا ہو، چہ جائیکہ ان میں اسے مہارت کی گیرائی حاصل ہو۔ پھر بہت سے ایسے علوم ہیں جو زمانے کی تہوں میں دفن ہو کر رہ گئے اور اہلِ علم انہیں اپنے سینوں میں لے کر قبر کی آغوش میں جاسوئے۔ خود حدیث پاک اس بات کی نشاندہی فرماتی ہے کہ جوں جوں قیامت کا زمانہ قریب آتا جائے گا علم کی گہرائی کم ہوتی جائے گی۔

ارشاد رسول ﷺ ہے:

ان اللہ لا یقبض العلم انتزاعا ینتزعه من العباد و لکن یقبض العلم بقبض العلماء۔ (مشکوٰۃ شریف، ص: ۲۵)

اللہ تعالیٰ بندوں سے علم کی گہرائی کو یوں نہیں ختم کرے گا کہ ان کے دلوں سے علم چھین لے بلکہ جیسے جیسے جید علماء دنیا سے اٹھتے جائیں گے، ان کا علم بھی ان کے ساتھ رخصت ہوتا جائے گا (پھر بعد

میں ان کا کوئی جانشین اور ان جیسا علم والا نہیں پیدا ہوگا۔ اس طور سے علم کی گہرائی رفتہ رفتہ ختم ہوتی جائے گی)

فقہائے کرام کے سات طبقات

جب اجتہاد کی بنیادی شرطیں ہی مفقود ہیں تو پھر اجتہاد کا جواز ہی کیا رہ جاتا ہے؟ لیکن پھر دوسرا سوال اٹھ کھڑا ہوتا ہے کہ جب اجتہاد امکانی سطح پر نہ سہی، عملی سطح پر ہی گم ہے تو پھر نت نئے پیش آنے والے مسائل کا کیا ہوگا، انہیں کون حل کرے گا؟ یہاں تو پھر وہی جمود نکل آیا جسے دور کرنے کے لیے فقہ واصول کی تدوین ہوئی تھی اور اسلامی قوانین کا Flexibile رخ سامنے آیا تھا۔ اس کی توضیح یہ ہے یہ کہ مجتہد مطلق کی شرطیں تو صدیوں سے مفقود ہیں لیکن ائمہ کے متعین کردہ اصولِ استنباط کی روشنی میں آنے والے مسائل کی تشریح کرنے والے اصحابِ بصیرت پیدا ہوتے رہے اور ہوتے رہیں گے جو اپنی مومنانہ فراست سے امت کے درد کا علاج پیش فرماتے رہیں گے۔ اسی لیے اہلِ نظر نے فقہائے کرام کے سات طبقات متعین کیے ہیں:

(۱) مجتہد فی الشرع / مجتہد مطلق مستقل

یہ فقہائے اسلام کا وہ طبقہ ہے جنہیں اصولی قواعد کی تاسیس، کتاب وسنت، اجماع اور قیاس سے فرعی احکام کے استنباط کی ذاتی سطح پر استعداد حاصل ہو اور وہ اصول وفروع میں کسی کی تقلید کے محتاج نہ ہوں۔ جیسے سراج الامۃ امام اعظم ابو حنیفہ (م ۱۵۰ھ)، امام مالک (م ۱۷۹ھ)، امام شافعی (م ۲۰۴ھ)، امام احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ) وغیرہ۔

(۲) مجتہد فی المذاہب / مجتہد مطلق غیر مستقل

یہ ایسے فقہاء ہوتے ہیں جن میں مجتہد مطلق کی ساری صلاحیتیں موجود ہوتی ہیں لیکن وہ خود کو اصول میں کسی مجتہد مطلق کا تابع رکھتے ہیں اور ان کے بنائے ہوئے اصول کی روشنی میں کتاب وسنت، اجماع اور قیاس سے مسائل کے استخراج کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ یعنی اصول میں مقلد ہوتے ہیں اور فروع میں مجتہد۔ جیسے حضرت امام ابو یوسف (م ۱۸۳ھ)، امام محمد (م ۱۸۹ھ)، امام عبداللہ بن مبارک (م ۱۸۱ھ) وغیرہ تلامذہ امام اعظم۔

(۳) مجتہد فی المسائل / مجتہد مقید

ایسے فقہاء اس زمرے میں آتے ہیں جو اصول وفروع دونوں میں مجتہد مطلق کے تابع ہوں اور ان کے وضع کردہ اصول وفروع کی روشنی میں ایسے مسائل کا استنباط کر سکتے ہوں، جن کے بارے میں ائمہ

مذہب سے کوئی روایت نہیں ملتی۔ جیسے امام ابو بکر خصاف (م ۲۶۱ھ)، امام ابو جعفر طحاوی (م ۳۳۱ھ)، امام ابوالحسن کرخی (م ۳۴۰ھ)، شمس الائمہ حلوائی (۴۵۶ھ)، شمس الائمہ سرخسی (م ۵۰۰ھ)، امام فخر الاسلام بزدوی (م ۴۸۲ھ)، امام فخر الدین قاضی خاں (م ۵۹۳ھ)

(۴) اصحاب تخریج

حضرات فقہاء کا یہ طبقہ اجتہاد و استنباطِ مستقل کی قدرت نہیں رکھتا، البتہ ائمہ مذہب کے وضع کردہ سارے اصول و فروع پر گہری نگاہ ہوتی ہے جس کی روشنی میں یہ مجمل کی تشریح، محتمل کی تعیین مثالوں کے حوالے سے کر سکتے ہیں۔ حضرت ابو بکر احمد بن علی رازی (۳۷۰ھ) اسی طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔

(۵) اصحاب ترجیح

یہ حضرات اصحاب تخریج سے کمتر فقاہت کے حامل ہوتے ہیں اور ائمہ مذہب سے منقول روایات میں سے اصول و فروع کی روشنی میں بعض کو بعض پر ترجیح دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ جیسے امام ابوالحسن قدوری (م ۴۲۸ھ)، صاحب ہدایہ امام ابوالحسن علی بن ابی بکر فرغانی مرغینانی (م ۵۹۳ھ) وغیرہ۔ ھذا اولی، ھذا اصح، ھذا اوضح، ھذا اوفق للقیاس جیسے اقوال ان کی پہچان ہوتے ہیں۔

(۶) اصحاب تمیز

فقہاء کا یہ گروہ مذہب کے قوی اور ضعیف، مقبول اور مردود اقوال میں تمیز کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ظاہر الروایہ اور نادر روایات کے درمیان امتیاز کی قدرت ان میں موجود ہوتی ہے، جیسے اصحاب متون معتبرہ۔ مثلاً: صاحبِ مختار، صاحبِ وقایہ، صاحب مجمع وغیرہ۔

(۷) مقلد محض

جن میں مذکورہ بالا کوئی صلاحیت موجود نہ ہو، ایسے حضرات کا ذاتی قول قابل عمل نہیں ہوتا، بس یہ ائمہ مذہب کے اقوال نقل کر سکتے ہیں، جیسے موجودہ دور کے بیشتر صاحبانِ فقہ۔ ان میں ایسے ایسے افراد شامل ہیں جن کی عظمتوں کا ایک زمانہ معترف ہے۔ لیکن ان سب فضائل و کمالات کے باوجود یہ حضرات، ائمہ اربعہ میں سے کسی نہ کسی کے مقلد ہی رہے۔ خود حضرت امام بخاری جنہیں چھ لاکھ احادیث مبارکہ ان کے رجال اور اسناد کی ساری جزئیاتی تفصیلات کے ساتھ یاد تھیں، سیدنا امام شافعی کے مقلد تھے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں دین و شریعت کا فہم، پختہ شعور، حسنِ ادب اور عمل کی توفیق سے سرفراز فرمائے اور ہدایت یافتہ حضرات کی صفوں میں باقی رکھے۔ آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ

شیخ الاسلام کا دورہ یورپ و جنوب مشرقی ایشیا

تاریخ ساز سیرت النبی ﷺ کانفرنسز، ہزارہا افراد کی شرکت

خصوصی رپورٹ

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری دامت برکاتہم العالیہ نے جولائی اور اگست میں طویل ترین تنظیمی و دعوتی دورہ برطانیہ، یورپ، جنوبی ایشیا کیا۔ شیخ الاسلام نے اپنے اس دورہ کے دوران آسٹریلیا، ملائیشیا، ہانگ کانگ، ساؤتھ کوریا اور جاپان میں عظیم الشان سیرت النبی ﷺ اور اتحادِ امت کانفرنسز، سیمینارز اور ورکرز کنونشنز میں شرکت کی اور خطاب فرمایا۔ شیخ الاسلام کی ان کانفرنسز میں علمائے کرام، مختلف ملکوں کے سفرا، مبلغین، اساتذہ، ائمہ حضرات، مذہبی سکالرز اور سول سوسائٹی کے نمائندے بڑی تعداد میں شریک رہے۔ ان کانفرنسز کے دوران شیخ الاسلام کی گفتگو کا مرکز و محور اتحادِ اُمت رہا۔ شیخ الاسلام کے اس دورہ کی اجمالی رپورٹ نذرِ قارئین ہے:

ا۔ آسٹریلیا

سڈنی: شیخ الاسلام نے اپنے حالیہ دورہ آسٹریلیا میں مختلف شہروں میں عظیم الشان سیرت النبی ﷺ کانفرنس سے خطاب فرمایا۔ انہوں نے سڈنی میں اسوۂ رسول ﷺ کے موضوع پر کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ عدم برداشت، انتہا پسندی کے خاتمہ کیلئے اسوۂ رسول ﷺ پر عمل کیا جائے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے مختلف مذاہب اور طبقات کے ساتھ مکالمہ کیا اور انہیں خدائے واحد کی عبادت کا پیغام دیا اور اپنے بہترین اخلاق، اعتدال و رواداری کے اوصاف، ایفائے عہد جیسے اعلیٰ رویوں کے ذریعے اسلام کی تعلیمات پیش کیں اور عرب کی متشدد سوسائٹی کو علم و امن کی طرف مائل کیا ہے۔۔ آج بھی پیغمبر اسلام ﷺ کے اسی اسوہ پر عمل پیرا ہو کر نفرتوں اور متشدد رویوں کا خاتمہ ممکن ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ کو اپنے اس مشن کی کامیابی کے لئے شدید مزاحمت، انتہا پسندانہ رد عمل کا سامنا رہا مگر آپ ﷺ نے نازک سے نازک مرحلہ پر بھی صبر و قناعت کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دیا اور دنیا کو پیغام دیا کہ جب مقاصد اجتماعی اور عظیم ہوں تو پھر ذات کی نفی کر دی جاتی ہے۔ ایمان آنے والی نسلوں میں منتقل کرنے کے لئے ہمیں اپنے رویوں میں محبت، مہربانی، شفقت، سخاوت، عفو و درگزر اور صبر و تحمل کے جذبات پروان چڑھانے ہوں گے۔ جب تک ہمارے مزاج مصطفوی اسوہ کا پرتو نہیں بنتے ہم اسلام کی اعلیٰ اخلاقی تعلیمات کو دوسری نسلوں تک منتقل نہیں کر سکتے۔

☆ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے سڈنی میں منہاج ویلفیئر فاؤنڈیشن کی تقریب میں اظہارِ خیال کیا، انہوں نے کہا کہ اسلام کا معاشی نظام غربت کے خاتمے کی ضمانت ہے۔ اسلام میں ارتکاز دولت، ذخیرہ اندوزی، رشوت ستانی، سود خوری کو حرام قرار دیا گیا ہے اور اس کے متبادل کے طور پر تجارت، عشر و زکوٰۃ، صدقہ و خیرات کی تعلیم دی گئی ہے۔ ان اعمال اور افعال میں رزق کی کشادگی اور برکت ہے۔ اسلام کے فلاح عامہ کے تصور اور آسودہ حال افراد میں مذہبی ذمہ داریاں اجاگر کرنے میں مدد ملی ہے۔ انہوں نے کہا کہ چیرٹی سے سماج میں باہمی احترام و اعتماد میں اضافہ ہوتا ہے اور اعتدال و رواداری کے جذبات نمو پاتے ہیں۔

☆ شیخ الاسلام نے سڈنی میں اسلامک سکالرز کے ساتھ ایک خصوصی ملاقات کی۔ انہوں نے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ اسلام بہترین اخلاقی معیارات کا مظہر ہے۔ سیرت طیبہ بیان کرنے والوں کے کردار میں بھی یہ جھلک نظر آنی چاہیے۔ غریب رشتہ داروں کی معاشی بحالی کے لئے کوشش کرنا عبادت ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے ہمیشہ عزیز و اقارب اور مستحقین کے ساتھ شفقت کا معاملہ کیا۔ ہجرت مدینہ کے بعد برادرانہ اخوت اور مواخات کی جو مثال پیش کی گئی، تاریخ میں اس ایثار و رواداری کی اور کوئی مثال نظر نہیں آتی۔ انصار مدینہ حضور نبی اکرمؐ کی تحریک پر مہاجرین کی کفالت اور معاشی بحالی کے لئے اعلیٰ نمونہ بنے۔ والدین، اساتذہ، میڈیا اور علمائے کرام اخلاقی صفات کو اجاگر کرنے کے لئے اپنا ناصحانہ کردار ادا کریں اور بچوں کی اوائل عمری میں ایسی تربیت کریں کہ وہ باشعور ہو کر سوسائٹی کے لئے مفید ثابت ہوں۔ کسی کی معاشی بحالی کے لئے کردار ادا کرنا اور کسی کی اچھی تربیت کے لئے خدمات بجالانا صدقہ جاریہ ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ غزوات میں حاصل ہونے والے مال غنیمت کو تقسیم فرماتے تھے۔ اس کا مقصد سوسائٹی کے ہر فرد اور طبقہ کو معاشی استحکام دینا تھا۔ معاشرے باہمی احترام، وفاداری اور وفاشعاری کے جذبات سے مضبوط و مستحکم ہوتے ہیں۔

میلبورن: شیخ الاسلام ڈاکٹر طاہر القادری نے میلبورن آسٹریلیا میں ”جدید سائنس اور وجود

باری تعالیٰ'' کے موضوع پر ایک بہت بڑی کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ زمین و آسمان اور انسانی وجود کی تخلیق سے لے کر پہاڑوں، سمندروں، حیوانات، نباتات، نظام شمسی کے بارے میں قرآن مجید نے جو انکشافات 14 سو سال قبل کئے آج سائنس ان قرآنی حقائق و معارف کی توثیق کر رہی ہے۔ قرآن اور سائنس جدا نہیں ہیں۔ جوں جوں انسان کی شعوری سطح بلند اور سائنٹیفک اپروچ بڑھتی چلی جائے گی قرآن اور پیغمبر اسلام کے فرامین کی سمجھ آتی چلی جائے گی۔ قرآن مجید میں ایک ہزار آیات میں سائنسی حقائق بیان ہوئے ہیں۔

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے اپنے خطاب میں کہا کہ نوجوان قرآن مجید کو کتاب ہدایت اور جدید سائنس کی مستند کتاب کے طور پر پڑھیں اور غور و فکر سے کام لیں۔ قرآن سائنس کے خلاف ہے یا سائنس قرآن کے خلاف ہے یہ نا سمجھی پر مبنی تصورات ہیں۔ اسلام وہ واحد الہامی مذہب ہے جو قدم قدم پر جدید تعلیم کے حصول کو واجب ٹھہراتا ہے اور اسلام نے قیامت تک کے انسانوں کی رہنمائی کا ذمہ لے رکھا ہے۔

شرکاء نے شیخ الاسلام کے قرآنی علوم کے گہرے مطالعہ اور اس کی سائنسی خطوط پر تشریح و تفسیر پر مسرت کا اظہار کیا اور کہا کہ قرآن بلاشبہ ایک ماڈرن بک سائنس ہے۔ کانفرنس کا اہتمام منہاج القرآن انٹرنیشنل آسٹریلیا کی طرف کیا گیا تھا۔ کانفرنس میں 15 سو سے زائد فیملیز نے شرکت کی جن میں بچوں، خواتین اور نوجوانوں کی ایک بڑی تعداد شامل تھی۔ کانفرنس میں، میلبٹن قانون ساز اسمبلی کے ممبر مسٹر سٹیو مگی، قونصل جنرل پاکستان سید معظم حسین شاہ، ڈائریکٹر نیشنل سنٹر برائے جدید اسلامی تعلیمات و کنوینئر اسلامک سٹڈیز یونیورسٹی آف میلبورن پروفیسر عبد اللہ سعید، چیئرمین سپریم کونسل منہاج القرآن انٹرنیشنل ڈاکٹر حسن محی الدین قادری، صدر منہاج القرآن انٹرنیشنل ڈاکٹر حسین محی الدین قادری، ڈاکٹر غزالہ قادری، فضہ حسین قادری نے شرکت کی۔

بر سبین: شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کے اعزاز میں بر سبین میں استقبالیہ تقریب منعقد ہوئی۔ بر سبین امپوریل ہوٹل کے فرنگی پانی ہال میں منعقدہ استقبالیہ تقریب میں آسٹریلیا، بر سبین کی ممتاز سیاسی شخصیات اور سول سوسائٹی کے نمائندوں اور آفیشلز نے شرکت کی۔ شرکت کرنے والوں میں آسٹریلیا کی مقامی سینئر خاتون راہنما آنٹی دالمیا، سابق وزیر اعظم کے معاون وزیر اور سابق وزیر برائے شہریت و کثیر الثقافتی امور گیری ہارڈ گریو، معاون وزیر برائے تعلیم و امور نوجوانان کورئین مک ملن، ساؤتھ بر سبین کے سینئر سارجنٹ ڈلاس کووالڈ، اسلامی کالج آف بر سبین کے سی ای او علی قادری نے شرکت کی۔

اس موقع پر اظہار خیال کرتے ہوئے شیخ الاسلام نے کہا کہ بین المذاہب مکالمہ سے غلط فہمیوں کا تدارک ممکن ہے، اسلام انسانیت کے لئے آسانی اور بھلائی چاہتا ہے، پیغمبر اسلام ﷺ کی طرف سے

دستور مدینہ کے ذریعے مختلف مذاہب اور مکتب فکر کے لوگوں کو ایک قوم کا سٹیٹس دیا گیا جو اس بات کا ثبوت ہے کہ اسلام کثیر الثقافتی و کثیر المذاہب سوسائٹی کی نفی نہیں کرتا۔ دستورِ مدینہ اسلام کے جامع سماجی اصولوں کا عکاس ہے۔ منہاج القرآن بین المذاہب ہم آہنگی کے فروغ کے لئے کردار ادا کر رہا ہے۔ ایک اچھا انسان اخلاقی انسانی قدروں کا پاسدار ہوتا ہے۔ اسلام کی صلہ رحمی، باہمی الفت و محبت کی تعلیمات کو اجاگر کرنے کے لئے قرآن و سنت کی روشنی میں، میں نے متعدد کتب تحریر کی ہیں جنہیں پڑھ کر اسلام کی حقیقی اخلاقی تعلیمات کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ اسلام انتہا پسندی سے گریز اور اخلاقی زندگی اختیار کرنے کی سوچ دیتا ہے۔

☆ استقبالیہ تقریب میں ڈاکٹر حسن محی الدین قادری، پروفیسر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری، ڈاکٹر غزالہ قادری، فضہ حسین قادری، شیخ حماد مصطفی المدنی القادری، صفہ حماد قادری، شیخ احمد مصطفی العربی القادری سمیت منہاج القرآن انٹرنیشنل آسٹریلیا اور برسبین کے ذمہ داروں نے شرکت کی۔

۲۔ ملائیشیا

شیخ الاسلام نے ملائیشیا کوالالمپور میں عظیم الشان سیرت النبی کانفرنس ﷺ سے خطاب کیا۔ انہوں نے اپنے خطاب میں کہا کہ سوشل میڈیا پر ڈالروں کے لیے کفر کے فتوے اور گالیاں دی جا رہی ہیں، نوجوانوں کے اخلاق بگاڑے جا رہے ہیں اور دین فروشی اور گالم گلوچ سے نئی نسل کو اسلام سے بدظن کیا جا رہا ہے۔ اسلام اخوت، رواداری اور امن و سلامتی کی اقدار کا محافظ دین ہے، مگر دین کا لبادہ اوڑھ کر دین فروشی کی جا رہی ہے اور نئی نسل کو اسلام کی اقدار سے متنفر کیا جا رہا، علمائے کرام، مشائخ و پیران کرام اس فتنہ کے خلاف اٹھیں اور خانقاہوں، منبر و محراب کے حقیقی کردار کو بحال کریں۔

اسلام امن و سلامتی کا دین ہے، پیغمبر اسلام نے انسانیت کی فلاح کے لیے تعلیمات دیں اسلام نفرت اور انتقام نہیں، محبت و اخوت کی تعلیم دیتا ہے۔ سوشل میڈیا پر دین کا لبادہ اوڑھ کر کفر کے فتوے جاری کرنے والے دین کی قدریں مسخ کر رہے ہیں، جو زیادہ گالیاں دیتا ہے، زیادہ کفر کے فتوے جاری کرتا ہے اسے زیادہ ڈالر ملتے ہیں۔ اس فتنے کو روکنا ہوگا، امت کے تعلیم یافتہ طبقات ایسے گالی گلوچ کے ماحول کو مسترد کریں، نوجوانوں کو ایجوکیٹ کیا جائے، ناسمجھی میں نفرت انگیز ماحول کو وائرل نہ کیا جائے اور ایسے دین فروش عناصر کی حوصلہ شکنی کی جائے۔ جو شخص چاہتا ہے کہ اللہ سے اس حال میں ملے کہ اللہ رب العزت اس سے خوش ہوں تو وہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی سیرتِ طیبہ کا دامن تھام لے۔

☆ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی منہاج القرآن انٹرنیشنل ملائیشیا کے مجلس شوریٰ کے اجلاس میں شرکت، چیئرمین سپریم کونسل ڈاکٹر حسن محی الدین قادری، صدر منہاج القرآن انٹرنیشنل پروفیسر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری، شیخ حماد مصطفیٰ المدنی القادری اور شیخ احمد مصطفیٰ العربی القادری بھی ان کے ہمراہ شریک ہوئے۔ شیخ الاسلام نے منہاج القرآن انٹرنیشنل کے ذمہ داران کو ان کی تنظیمی کارکردگی پر شیلڈ اور نئے شامل ہونے والے رفقاء کو اسنادِ رفاقت دیں، اجلاس میں صدر منہاج ایشین کونسل میاں علی عمران، صدر منہاج القرآن انٹرنیشنل ملائیشیا عبدالرسول بھٹی، راجہ زاہد محمود، امجد رضا، حافظ محمد موسیٰ، سلیم قادری، علی رضا سمیت ممبران مجلس شوریٰ شریک ہوئے۔

۳۔ ہانگ کانگ

شیخ الاسلام ڈاکٹر طاہر القادری نے ہانگ کانگ میں مختلف تعلیمی، سماجی، اور دینی پروگرامز میں شرکت کی۔ شیخ الاسلام نے اپنے اس دورہ کے موقع پر ہانگ کانگ میں مختلف مقامات پر اسلامی تعلیمات، اخلاقیات، روحانیت اور امن و محبت کے موضوعات پر خطابات ارشاد فرمائے۔ شیخ الاسلام نے اس موقع پر خاص طور پر نوجوانوں کے ساتھ سیشنز منعقد کیے جن میں انہوں نے اسلامی تعلیمات کے بارے میں بات کی اور انہیں جدید دور کے چیلنجز سے نمٹنے کے لیے رہنمائی فراہم کی۔

ڈاکٹر حسن محی الدین قادری، پروفیسر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری اور شیخ حماد مصطفیٰ المدنی نے بھی جمعۃ المبارک کے موقع پر ہانگ کانگ کی تین مختلف جامع مساجد میں جمعہ کے خطبات ارشاد فرمائے جن میں ہانگ کانگ کی مسلم کمیونٹی کی کثیر تعداد نے شرکت کی۔

☆ ہانگ کانگ میں شیخ الاسلام نے ''ملی مجلس سیرت ہانگ کانگ'' قائم کرنے کا اعلان کیا جو اپنی نوعیت کا ایک منفرد واقعہ ہے۔ اس ملی مجلس میں تمام مکتب فکر کو نمائندگی دی گئی ہے۔ یہی ملی مجلس ہانگ کانگ میں عید میلاد النبی ﷺ کے حوالے سے کانفرنسز کا اہتمام کرے گی۔ شیخ الاسلام نے اس بات پر زور دیا کہ اسلام ہر قسم کی فرقہ واریت، تقسیم اور منافرت کو رد کرتا ہے لہٰذا اُمت مسلمہ مسلکی مفادات و اعتقادات سے بالاتر ہو کر ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی کیلئے یک جان ہو کر رہے، سب مل کر مذہبی تہوار منائیں اور قرآن و سنت کی تعلیمات کو عام کریں۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے اُمت مسلمہ کو انتہائی دلپذیر اور موثر انداز میں پیغام دیا کہ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کیلئے امت تفرقہ بازی کو ختم کر دے۔ آپ ﷺ کی محبت تمام مسلمانوں کا مشترکہ اثاثہ ہے اسی محبت و مودت کی بنیاد پر اتحاد و یکجہتی کو فروغ دیا جائے اور منافرت و تقسیم کے فتنے کا سر قلم کر دیا جائے۔

☆ ہانگ کانگ میں ایک اہم پیشرفت یہ بھی ہوئی کہ تحریک منہاج القرآن کے بانی و سرپرست شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی انگریزی اور چینی زبان میں ترجمہ شدہ کتب ''ہانگ کانگ سنٹرل لائبریری'' میں رکھے جانے کا معاہدہ ہوا۔ معاہدہ کے بعد پروفیسر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری نے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ اسلام اور پیغمبر اسلام کی پرامن تعلیمات کو دیگر معاشروں میں ان کی زبانوں میں پہنچانا ناگزیر اور اعلیٰ ترین خدمت دین ہے۔ زبان کی رکاوٹ کی وجہ سے غیر عربی اور غیر اردو معاشرے اسلام کی انسانیت دوست آفاقی تعلیمات سے نابلد ہیں۔ اس فکری خلاء کو پر کرنے کے لئے منہاج القرآن انٹرنیشنل نے دیگر زبانوں میں اہم کتب کے تراجم کا سلسلہ شروع کیا ہے۔

ان کا مزید کہنا تھا کہ اس سے بین المذاہب ہم آہنگی اور بین التہذیب مکالمہ کا ماحول پیدا ہوگا۔ اسلام کے بارے میں پائی جانے والی غلط فہمیوں کا ازالہ ہوگا اور اسلام کی تعلیمات سمجھنے اور سمجھانے میں مدد ملے گی۔ منہاج القرآن انٹرنیشنل واحد غیر سرکاری مذہبی آرگنائزیشن ہے جسے اقوام متحدہ میں کنسلٹیٹو آرگنائزیشن کا سٹیٹس حاصل ہے۔ تمام تر اہمیت و شناخت کے باوجود منہاج القرآن نے ہمیشہ اتحادِ اُمت کے لئے کام کیا ہے اور تمام مکتب فکر کے علمائے کرام و مشائخ عظام کو اپنی مرکزی تقاریب میں خوش دلی کے ساتھ نہ صرف خوش آمدید کہا ہے بلکہ انہیں اپنے سٹیج پر نمایاں جگہ دی ہے۔ یہی نہیں بلکہ دیگر مذاہب کے نمائندگان کو بھی منہاج القرآن کے پلیٹ فارم پر عزت و آبرو کے ساتھ خوش آمدید کہا گیا ہے اس کا مقصد فروغ امن و محبت اور برداشت ہے۔ شیخ الاسلام نے ہمیشہ نفرتوں کے خاتمے کی بات کی ہے۔ وہ سمجھتے ہیں تفرقہ بازی، عدم برداشت، تنگ نظری اور انتہا پسندی نے اتحاد اُمت کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا ہے۔

☆ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے ہانگ کانگ میں ورکرز کنونشن میں بھی خصوصی شرکت کی اور منہاج القرآن کی انفرادیت و امتیاز کے موضوع پر خصوصی گفتگو کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ وہ افراد جو اللہ اور اس کے رسول مکرم ﷺ کے دین کی تجدید اور احیاء کے لیے اپنے ذاتی مفادات کو پسِ پشت ڈالتے ہوئے جہد مسلسل کرتے ہیں، وہی حقیقت میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے بہترین ساتھی ہیں۔ تحریک منہاج القران کی رفاقت کا مطلب بھی یہی ہے کہ آپ اپنی زندگیاں بدلیں، آپ کے اخلاق، اعمال اور طرزِ عمل بدل جائیں، آپ کے اخلاق میں حضور نبی اکرم ﷺ کے اخلاقِ حسنہ کی جھلک نظر آئے۔ آپ لوگ دعوتِ دین کا یہ پیغام گھر گھر تک پہنچائیں اور لوگوں کو اس قافلے کا حصہ بنائیں۔

اختتام پر شیخ الاسلام نے تنظیمی امور میں نمایاں کردار ادا کرنے والے ذمہ داران کو شیلڈز سے نوازا۔ ورکرز کنونشن میں صدر منہاج ایشین کونسل میاں علی عمران، جنرل سیکرٹری منہاج ایشین

کونسل محمد حفیظ، علامہ حافظ محمد نسیم نقشبندی، سید تنویر شاہ، صاحبزادہ محمد عدنان سیالوی سمیت بڑی تعداد میں منہاج القرآن انٹرنیشنل ہانگ کانگ کے رفقاء شریک ہوئے۔

ان بین الاقوامی کانفرنسز کی کامیابی کے لئے دن رات محنت کرنے والوں میں علی عمران، محمد موسیٰ، ظفر اقبال خان، میاں محمد واثق، چودھری لطیف، روحیل دلوی، ظہیر علوی، ڈاکٹر آصف خواجہ، محمد توصیف، چودھری سعید، محمد زاہد، محمد اشتیاق، محسن شفیق، فرخ حسین، خواجہ حسنین فاروق، ڈاکٹر عامر، فیصل حسین نشادی، میلاد رضا، عدنان سہیل، جاوید اقبال نمایاں ہیں۔ شیخ الاسلام کے ان دورہ جات میں چیئرمین سپریم کونسل ڈاکٹر حسن محی الدین قادری، پروفیسر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری، شیخ حماد مصطفی المدنی القادری، شیخ احمد العربی بھی ان کے ہمراہ رہے۔

۴۔ ساؤتھ کوریا

تحریک منہاج القرآن کے بانی و سرپرست شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے ساؤتھ کوریا کنٹیکس ہال میں اپنی نوعیت کی پہلی بین الاقوامی سیرت النبی ﷺ کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ حضور نبی اکرم ﷺ پیغمبر انسانیت ہیں۔آپ ﷺ دنیا بھر کے انسانوں کے لئے رول ماڈل ہیں۔آپ ﷺ نے انسانیت کو آئین سازی، مساوات انسانی، عدل و انصاف، خواتین کے عزت و احترام، انسانوں کے حقوق و فرائض، قانون کی حکمرانی، بین الاقوامی معاہدات کی پاسداری، انسانی جان کی حفاظت و حرمت، امن عامہ اور متوازن سوسائٹی کی تعمیر و تشکیل کے راہ نما اصول دیئے۔ بین الاقوامی سیرت النبی ﷺ کانفرنس کا اہتمام منہاج القرآن انٹرنیشنل ساؤتھ کوریا نے کیا۔ کانفرنس میں پاکستان، کوریا، چین، تائیوان، ازبکستان، سری لنکا، ترکی، ملائیشیا، انڈونیشیا، یمن، ایران، بنگلہ دیش، لیبیا، لبنان سے وفود اور مختلف مذہبی تحاریک کے نمائندگان شریک ہوئے۔ کانفرنس میں ساؤتھ کوریا میں ایران کے سفیر سعید کوزچی نے خصوصی شرکت کی۔ کانفرنس میں ساؤتھ کوریا کی معروف یونیورسٹیز کے بین المذاہب تقابل کے محققین نے بھی شرکت کی۔ شرکائے کانفرنس نے آپ ﷺ کی انسانیت دوست تعلیمات کے موضوع پر کانفرنس منعقد کرنے پر اور دنیا بھر کے مسلمانوں کو اکٹھا کرنے پر شیخ الاسلام اور منہاج القرآن کی کاوشوں کو سراہا۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے کہا کہ اُمت کے پاس حضور نبی اکرم ﷺ کی ذات مقدس ایک حسین نمونہ حیات ہے۔

انہوں نے کہا کہ مسلمان امن اور محبت کا داعی ہے کیونکہ وہ اپنی آخرت کی اچھی زندگی کے لئے اس دنیا میں اچھے اعمال بجا لاتا ہے۔آخرت کی زندگی سنوارنے کے لئے کسی کی حق تلفی نہیں کرتا۔رزق حلال کے ذرائع اختیار کرتا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اپنی آئندہ نسلوں کے ایمان و کردار اور انہیں اچھا انسان بنانے کے لئے تعلیم دیتا ہے۔ یہی اجزاء ایک پرامن اور خوشحال سوسائٹی کے خدوخال نکھارتے ہیں۔انہوں نے کہا کہ آپ ﷺ کی سیرت طیبہ اور انسانیت کی فلاح کے لئے آپ ﷺ کے عملی اقدامات دنیا بھر کے مسلمانوں اور انسانوں کے لئے اتحاد و اتفاق کا مضبوط جواز ہیں۔انہوں نے کہا کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے اتحاد اور جماعت کے ساتھ جڑنے کی دعوت دی اور فرمایا جماعت کے ساتھ جڑنے والے جنت کے راستے پر ہیں۔انہوں نے کہا کہ منہاج القرآن اتحاد اُمت کی بین الاقوامی داعی تحریک ہے۔کانفرنس میں ڈاکٹر حسن محی الدین قادری، پروفیسر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری، ڈاکٹر غزالہ قادری، حماد مصطفی المدنی القادری، مسز صفہ حماد قادری، شیخ احمد مصطفی العربی نے شرکت کی۔پروفیسر ڈاکٹر حسین علی یوسفی، میاں علی عمران، ڈاکٹر منصور میاں، شہزاد علی بھٹی، محمد جمیل چودھری، شفیق خان، عبدالرزاق بھٹی، فیصل نقیب، محمد عظیم مرزا، عتیق الرحمن، خالد حمید بٹ، عقیل مجاہد اعوان، حمزہ خان جدون نے کانفرنس میں شرکت کی۔

۵۔جاپان

تحریک منہاج القرآن کے بانی و سرپرست شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے جاپان (گنما) میں سیرت النبی ﷺ کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ حضور نبی اکرم ﷺ منصب نبوت پر فائز ہونے سے قبل صادق و امین کی شہرت رکھتے تھے۔آپ ﷺ کی امانت و صداقت کے اپنے اور پرائے سبھی معترف تھے۔دیانت داری اور جہد مسلسل سے کامیابی ملتی ہے۔آپ ؐ پوری انسانیت کیلئے رول ماڈل ہیں۔ آپ ﷺ نے قتل و غارت میں گھرے ہوئے عرب معاشرے کو اخلاقیات کی تعلیم دی۔آپ ﷺ کی تعلیم و تربیت کے فیضان سے ایک دوسرے کی ناحق جان لینے والے جانیں بچانے والے بن گئے۔سیرت طیبہ ﷺ پر عمل دونوں جہانوں کی کامیابی کی کنجی ہے۔کانفرنس میں آمد پر شرکاء نے پھولوں کی پتیاں نچھاور کر کے شیخ الاسلام کا

والہانہ استقبال کیا۔کانفرنس ہال خیر مقدمی بینروں سے سجایا گیا تھا۔نوجوانوں نے بڑی تعداد میں شرکت کی۔ جاپان میں منعقد ہونے والی تاریخی سیرت النبیﷺ کانفرنس میں ڈاکٹر حسن محی الدین قادری،پروفیسر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری،شیخ حماد مصطفی،شیخ احمد العربی،میاں علی عمران،ملک ممتاز،رانا نفیس حسین قادری،معاذ اعجاز،ڈاکٹر عبد الرحمن صدیقی،پروفیسر سلیم الرحمان،عبد القدوس بھٹی،مہر محمد اکرم،ڈاکٹر منصور میاں،محمد عظیم مرزا نے خصوصی شرکت کی۔شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے نوجوانوں کو نصیحت کی کہ اسلامی بود و باش اختیار کریں اپنا وقت علم و ہنر سیکھنے میں صرف کریں تمام تر مصروفیات کے باوجود مطالعہ کو عادت بنائیں، جملہ دینی فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کریں۔آپ کے چہرے اور آپ کے اعمال مصطفوی سیرت کا پرتو ہونے چاہئیں۔انہوں نے کہاکہ اپنی زبان اور ظاہر و باطن کو اجلا کریں جب سوچ صاف اور پاکیزہ ہوتی ہے تو آنکھیں روشن اورچہرہ پر نور ہو جاتا ہے۔بالخصوص نوجوان پاکیزگی کی راہ اختیار کریں اور ہمیشہ نیک عمل کریں۔تنہائی سے نکل کر جماعت کا رنگ اختیار کریں۔اپنے ہر معاملے اور فیصلے میں مشاورت کریں۔مشاورت حضور نبی اکرمؐ کی سنت مبارکہ ہے۔جو مانگنا ہے اللہ سے مانگیں جو آپ سے مانگتا ہے اس کا اللہ پر یقین کمزور ہے۔جو خود اللہ سے نہیں مانگ سکتا وہ آپ کو اللہ سے کیا ملوائے گا۔اللہ والوں کی صحبت میں رہیں ، نیک صحبت انسان کو سنوار دیتی ہے۔نماز پنجگانہ کی پابندی اللہ سے ملاتی ہے۔سیر ت النبیﷺ کانفر نس میں جاپان کے دور دراز شہروں میں آباد پاکستانی شہریوں سمیت دیگر مسلمان ممالک کے شہریوں نے بڑی تعداد میں شرکت کی۔منہاج القرآن انٹرنیشنل جاپان کے صدر ملک ممتاز نے شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا شکریہ ادا کیا۔انہوں نے کہاکہ سیرت النبیؐ کانفرنس کا ایمان افروز خطاب ہمارے لئے ریفریشر کورس ثابت ہوا ہے ہم مدتوں اس پر تاثیر خطاب کی حلاوت کو محسوس کرتے رہیں گے اور کوشش کرتے رہیں گے کہ اپنی زندگیوں کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کے مطابق بسر کریں۔شیخ الاسلام نے کامیاب اور فقید المثال سیرت النبیﷺ کانفرنس کے انعقاد پر منہاج القرآن جاپان کی تنظیم کو مبارکباد دی اور نصیحت کی کہ ربیع الاول کی آمد آمد ہے اس ماہ مبارک میں زیادہ سے زیادہ سیرت النبی ﷺ کی محافل منعقد کریں اور سیرت پاک کے تذکرے کریں۔

میلبورن میں خطاب

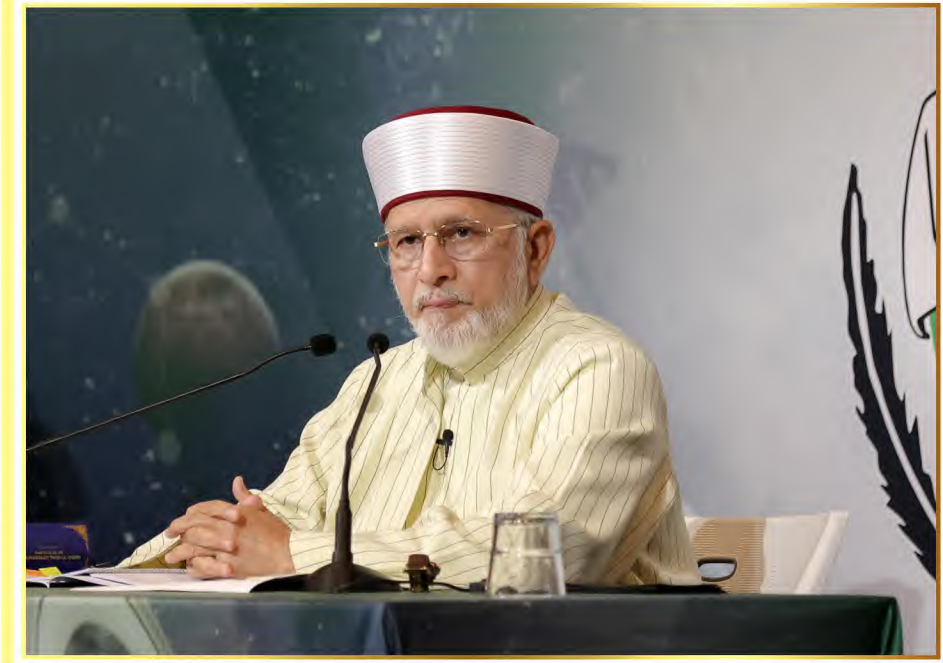

برسبین میں خطاب

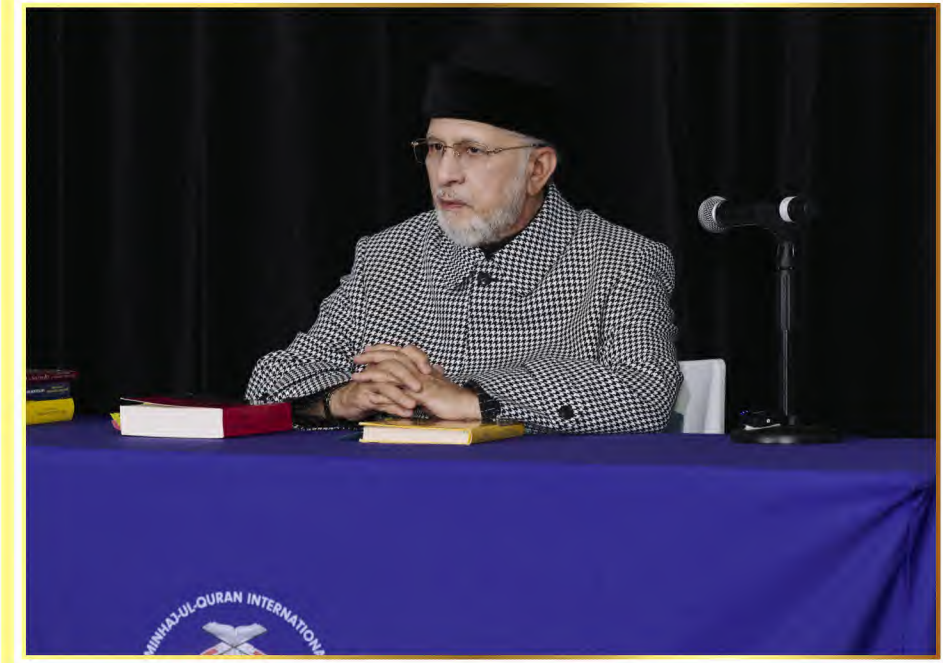

سڈنی میں خطاب

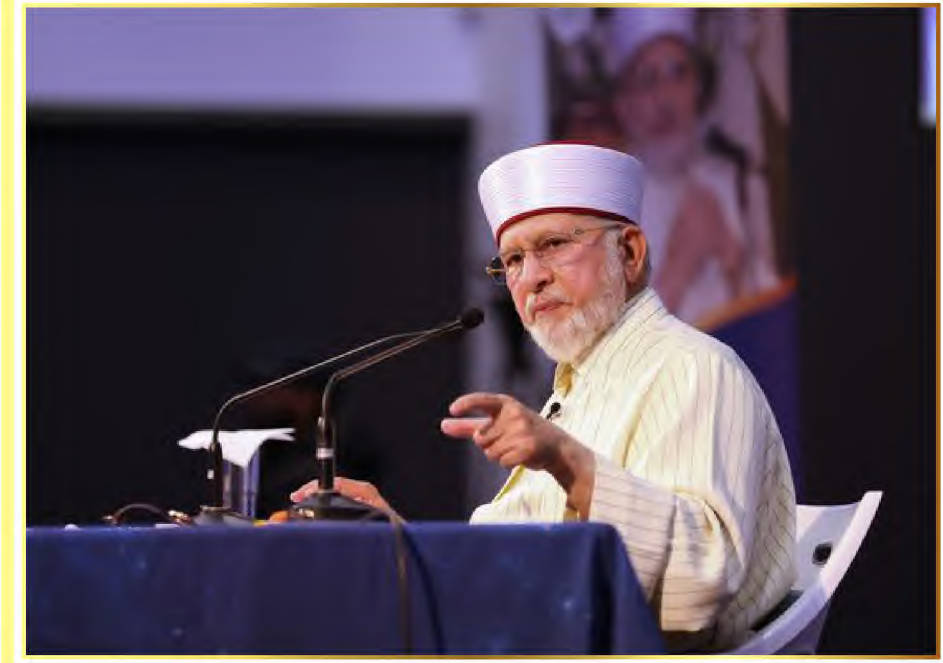

ہانگ کانگ میں خطاب

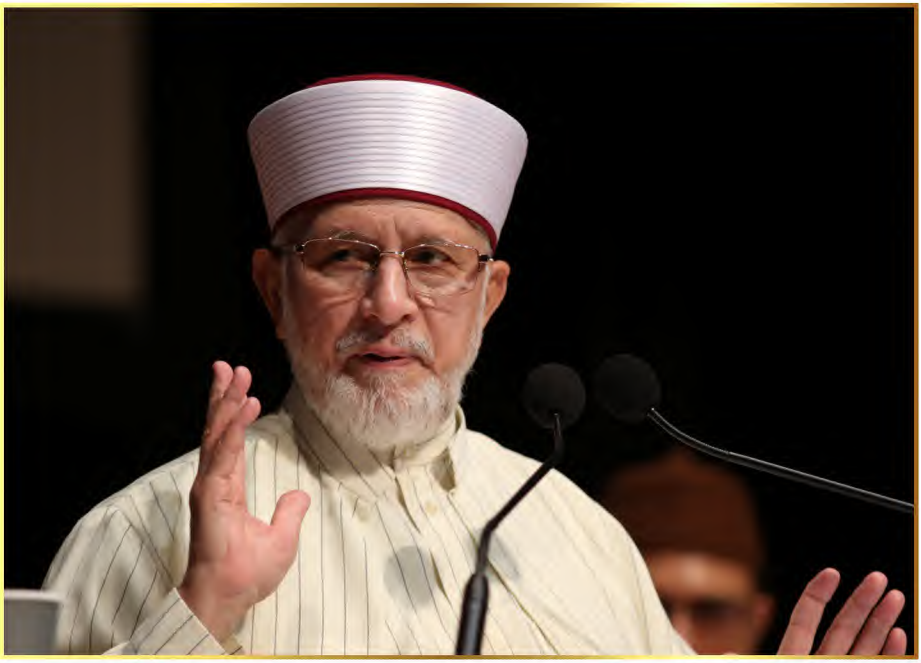

ساؤتھ کوریا میں خطاب

جاپان میں خطاب

خصوصی ہدایات برائے میلاد مہم 2024ء

ماہ ربیع الاول اپنی آغوش میں ولادت مصطفی ﷺ کی خوشیاں لئے امت مسلمہ پر سایہ فگن ہونے والا ہے۔ اللہ کے فضل و کرم سے تحریک منہاج القرآن جس جوش و جذبہ ایمانی سے میلاد مناتی ہے، عالمِ اسلام اُس کا معترف ہے۔

امسال بھی جشن عید میلاد النبی ﷺ کو حسب سابق جوش و جذبے اور عقیدت و احترام سے منایا جائے گا۔ اس عزم کے ساتھ کہ

؎ قوت عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسم محمدؐ سے اجالا کر دے

اس سال 41ویں سالانہ عالمی میلاد کانفرنس ان شاء اللہ العزیز مینار پاکستان پر منعقد ہو گی جس میں شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری خصوصی خطاب فرمائیں گے۔ دنیا بھر سے ہزارہا عشاقانِ رسول ﷺ کے ساتھ ساتھ علماء کرام و مشائخ عظام تشریف لائیں گے۔ تحریک منہاج القرآن اور اس کے جملہ فورمز مرکزی ہدایات کے مطابق میلاد مہم کامیاب بنانے کے لئے محنت و کوشش کریں تاکہ ہم عشق و محبت رسول ﷺ کے اس مقدس ماہ میں اپنے آقا ﷺ کے دین کی تجدید و احیاء اور ”مصطفوی معاشرے کا قیام“ کے پیغام کی زیادہ سے زیادہ ترویج و اشاعت کو ممکن بنانے میں اپنا بھرپور کردار ادا کریں۔

☆اس سال میلاد مہم کا دورانیہ 19 اگست 2024ء تا 7 اکتوبر 2024ء تک ہو گا۔

جملہ تنظیمات اور جملہ فورمز درج ذیل ہدایات کے مطابق میلاد مہم کو کامیاب بنانے کے لئے اپنا کردار ادا کریں:

☆ ربیع الاول کا چاند دیکھنے کے بعد دو رکعت نماز نوافل شکرانہ ادا کریں۔

☆ اپنے اعزاء و اقرباء، محلہ داروں اور دوستوں کو عید میلاد النبی ﷺ کی مبارکباد بالمشافہ، ای میل، SMS، فیس بک، WhatsApp، ٹویٹر یا کسی بھی ذریعہ سے دیں۔

☆ استقبال ربیع الاول کے حوالے سے ضلع، تحصیل / صوبائی حلقہ اور یوسی میں ایک بھرپور جلوس / مشعل بردار جلوس کا اہتمام کیا جائے۔

☆ 41ویں سالانہ عالمی میلاد کانفرنس کو عظیم الشان بنانے کے لیے جملہ تنظیمات / فورمز / کارکنان محنت کریں۔ علاقہ میں موجود مذہبی، سیاسی، فلاحی تنظیمات کے ساتھ ساتھ طلبہ، وکلاء، مزدور اور کسان یونینز کو بھرپور دعوت دی جائے۔

☆ علاقہ بھر میں استقبال ربیع الاول پر مبارک باد کے بڑے بڑے ہورڈنگز و بینرز لگوائیں۔

☆ صوبائی حلقہ / تحصیل کی تنظیم اپنی تمام یونین کونسلز میں کم از کم ایک میلاد کانفرنس منعقد کرے۔

☆ ہر تنظیم شیخ الاسلام کی کتب کے دعوتی پیکج تحائف کی صورت میں مذہبی، سیاسی اور موثر سماجی شخصیات کو دیں۔

☆ تنظیمات کیبل نیٹ ورک کے ذریعے شیخ الاسلام کے میلاد النبی ﷺ کے حوالے سے خطابات چلوانے کا بندوبست کریں۔

☆ ہر کارکن ماہ ربیع الاول کے پہلے 12 دن کم از کم 1200 مرتبہ اور باقی دنوں میں کم از کم 500 مرتبہ روزانہ درود پاک کا معمول بنائیں۔

☆ تمام رفقاء 12 ربیع الاول تک حضور ﷺ کے میلاد کی نسبت سے 12 افراد کو تحریک کا رفیق بنا کر فروغِ عشق رسول ﷺ اور احیائے اسلام کی عظیم عالمگیر تحریک کا حصہ بنائیں۔ ☆ پورا مہینہ گنبد خضریٰ کا مونو گرام اور نعلین پاک سینوں پر آویزاں کیے جائیں۔

☆ یکم تا 12 ربیع الاول اپنے اپنے گھر میں خواتین، بچوں کو عید میلاد النبی ﷺ کی اہمیت بیان کریں تاکہ بچوں میں میلاد النبی ﷺ کی خوشی کا احساس پیدا ہو۔ اپنے اپنے گھروں میں روزانہ خصوصی حلقہ ہائے درود و فکر کا انعقاد کریں۔

☆ 12 ربیع الاول کے دن بچوں میں عیدی تقسیم کریں اور گھر میں سپیشل کھانے کا اہتمام کریں۔

☆ ہر تحریکی گھرانہ اپنے گلی بازاروں میں آقا ﷺ کی آمد کی خوشی میں بچوں کے اندر کھانے پینے کی اشیاء تقسیم کرے تاکہ شعوری طور پر بچوں کے اندر حضور ﷺ کی ولادت کی خوشی کا احساس پیدا ہو۔ نیز گھروں اور تحریکی دفاتر پر چراغاں کیا جائے جو یکم سے 12 ربیع الاول تک رہے۔

☆ میلاد مہم کو کامیاب بنانے کے لیے یونین کونسلز، تحصیلی، ضلعی اور صوبائی ذمہ داران اپنی میٹنگز میں ابھی سے ہی ذمہ داریاں تقسیم کر دیں اور تمام احباب اس میں بھرپور محنت کریں۔

ADMISSIONS FALL 24

Minhaj University Lahore

Ph.D. | M.Phil | BS | BS 5th SEMESTER | ADP

IN THE FACULTIES OF

- ALLIED HEALTH SCIENCES
- APPLIED SCIENCES
- BASIC SCIENCES & MATHEMATICS
- COMPUTER SCIENCE, INFORMATION TECHNOLOGY & SOFTWARE ENGINEERING
- ECONOMICS & MANAGEMENT SCIENCES
- ENGINEERING AND TECHNOLOGY
- LANGUAGES
- LAW
- SOCIAL SCIENCES & HUMANITIES

Apply Now

03 111 222 685, 042 35145629 www.admission.mul.edu.pk

Minhaj University Lahore, Madar-e-Millat Road,
Near Hamdard Chowk, Township Lahore

Monthly
MINHAJ-UL-QURAN LAHORE
SEP-2024
Regd CPL No.41

حضور آپ ﷺ آئے تو دل جگمگائے

11 اور 12 ربیع الاوّل کی درمیانی شب

41 ویں سالانہ

عالمی میلاد کانفرنس

خصوصی خطاب

دامت برکاتہم العالیہ

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

مینارِ پاکستان

خواتین کیلئے باپردہ انتظام

منہاج القرآن انٹرنیشنل

LIVE ON MINHAJ

www.minhaj.org | 042-111-140-140

YouTube /DrQadri TahirulQadri